یا اللہ مدد | حیات النبی زندہ باد | شان رسالت زندہ باد | اصل کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی

بیاد
محدث عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حضرت مولانا حسین احمد مدنی، خلیفہ مجاز امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمن عباسی 0301-7790908
مدیر مسئول: مولانا احسن خدامی 0320 4902150
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

ترغیب الإخوان فی ترکیب القرآن

یحتوی علیٰ اُصول الترکیب ولغات القرآن وتراکیبه

تالیف: شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم

مدیر: جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان، پاکستان

قرآن پاک کی تراکیب اور لغات پر خالص تدریسی انداز میں لکھا گیا مختصر مگر جامع رسالہ

کتاب کے دو حصے ہیں۔ ترکیب القرآن میں بصیرت پیدا کرنے کے لیے شروع کتاب میں مبادیٔ ترکیب کا بیان ہے۔ جس میں ضروری نحوی قواعد جن پر ترکیب موقوف ہے اور نکاتِ نادرہ جن سے کتب متداولہ خالی ہیں۔ امثلہ وشواہد حتی الوسع قرآن پاک سے لیے گئے ہیں۔ اِس حصہ کے آخر میں کلمہ طیبہ کے نو (۹) احتمالات ترکیبیہ اور تسمیہ کے ۳۴۸۰/احتمالات ترکیبیہ ومعنویہ بیان کیے گئے ہیں۔

دوسرے حصہ میں پارہ عم کے آخری ربع کی تراکیب ولغات ہیں۔ ترکیب میں پہلے تفصیل پھر اختصار ہے۔ لغات میں الفاظِ مشکلہ کا حل بمع شواہد موجود ہے۔

صفحات: ۹۶......رعائتی قیمت: ۵۰/روپے......رابطہ: 0323-2880093

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب سے مطالبہ کیا ہے؟

''الشریعہ'' کی پالیسی کے بارے میں بزرگوں نے جن تحفظات کا اِظہار کیا ہے میں اُن کا احترام کرتا ہوں اور اطمینان دلاتا ہوں کہ آئندہ اُن تحفظات کا لحاظ رکھا جائے گا۔''

یہ، عم محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب کے قلم سے نکلی وہ عبارات ہیں جو ماہنامہ ''وفاق المدارس'' [ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، ص:۶۱] میں شائع ہوئیں۔

جبکہ ماہنامہ ''الشریعہ'' [جنوری ۲۰۱۶ء، ص:۳] میں مولانا زاہد الراشدی صاحب نے لکھا ہے:

''قوی امید ہے کہ وہ (عمار خان ناصر) ''الشریعہ'' کو اس کے اہداف، دائرہ کار اور معیار کے مطابق زیادہ بہتر طور پر آگے بڑھا سکے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

گذشتہ شمارے میں عم محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب کی تازہ تحریر پر کچھ عرض کیا گیا تھا۔ بعض احباب نے مطالبہ کیا ہے کہ اس بات کو مزید واضح کیا جائے کہ مولانا راشدی سے مطالبہ کیا ہے؟ اِختصار کے ساتھ عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گذشتہ اِداریے میں عرض کیا تھا کہ:

''۱......مولانا زاہد الراشدی صاحب نے جس مقصد کے تحت الشریعہ جاری کیا تھا، اور حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی علالت کے بعد عمار خان کی اِدارت میں الشریعہ کو جو رُخ دیا تھا، الشریعہ کے اُن اَہداف، طریقہ کار اور دائرہ کار ہی سے علماء کو اختلاف ہے کہ یہ طرز عوام الناس کے لیے مضر ہے۔

۲......اپنے فرزند عمار خان کے حوالے سے مولانا زاہد الراشدی صاحب کا طرزِ عمل انتہائی غیر مناسب اور جانب دار رہا ہے۔

۳......دیگر مکاتبِ فکر مثلاً مودودیوں وغیرہ کی کتابوں پر تقریظ لکھنے کی پالیسی بھی درست نہیں۔

۴......جاوید احمد غامدی جیسے ملحد و زندیق کو 'اخلاص' کی سند دینا اور 'اسلامی نظریاتی کونسل' میں اُس کی موجودگی کو بہت سے معاملات میں راہ نمائی کا سبب قرار دینے کا طرزِ عمل بھی نا قابل قبول ہے۔''

اِس پس منظر میں مولانا زاہد الراشدی صاحب سے درجِ ذیل مطالبات کیے گئے ہیں:

۱)...... ماہنامہ الشریعہ کی پالیسی سے پیدا ہونے والے فکری انتشار اور گمراہیوں (جس کی ایک واضح مثال عمار خان صاحب ہیں۔) سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اُس کے ''اہداف، دائرہ کار اور معیار'' کو برقرار رکھنے اور آگے بڑھانے کی نصیحت کے بجائے اسے مسلمات جمہور کے معیار اور دائرہ کار کا پابند بنا کر اس فکری انتشار اور گمرائیوں کے سد باب کی کوشش کی جائے۔

۲)......مولانا موصوف نے عمار خان صاحب کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے، اِسی پس منظر میں وہ عمار خان صاحب کی گمراہی سے انکار کر کے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔عمار خان صاحب کی جمہور امت سے الگ آراء اور متفق علیہ مسائل سے انحراف کی تاویلوں اور پردہ پوشی سے نہ یہ ''جرم'' ہلکا ہوسکتا ہے اور نہ ہی چھپ سکتا ہے۔ اِس کا سیدھا اور صاف راستہ یہی ہے کہ ان کے غلط نظریات اور افکار سے فرداً فرداً نہ سہی اجمالاً ہی براءت کا اعلان کر دیا جائے۔ اور اُن کی حوصلہ افزائی و پشت پناہی سے گریز کیا جائے۔

۳)......جمہور اہل سنت کے مسلمات سے ہٹ کر لکھی گئی کتب بالخصوص باطل فرقوں کی کتابوں پر تقاریظ لکھنے اور اُن کی حوصلہ افزائی سے احتراز اور ماضی کی تلافی کی جائے۔

۴......جاوید احمد غامدی جیسے ملحد وزندیق کو ''صاحبِ علم، مخلص اور ماہر علوم عربیہ'' باور کرانے کے بجائے عوام کو اُس کا تعارف ایک فتنے کی حیثیت سے کرایا جائے تا کہ وہ اُس کا شکار ہونے سے بچ سکیں۔

گذشتہ سے پیوستہ:

مولانا راشدی کی الشریعہ سے علیحدگی کے بارے میں ''بزرگوں کی مشاورت سے مرتب شدہ تحریر'' کا عملی نتیجہ اِس سے زیادہ کچھ نہیں کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب ''الشریعہ'' کا اِداریہ نہیں لکھیں گے۔ اور بس! واقعہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ الشریعہ کے نہ صرف اہداف، معیار اور دائرہ کار کو مولانا کی تائید حاصل ہے بلکہ مولانا کے مضامین بھی مسلسل الشریعہ میں شائع ہو رہے ہیں۔ تازہ شمارے [فروری] میں بھی ایک مضمون موجود ہے۔ اور گذشتہ شمارے [جنوری] میں بھی۔ نیز ''مؤسس'' کے طور پر اُن کا نام بھی بدستور برقرار ہے۔ اِس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں مولانا زاہدالراشدی صاحب نے ''الشریعہ'' کا صرف اِداریہ لکھنا ترک کیا ہے۔ لہٰذا اُن کی ''الشریعہ سے علیحدگی'' یا ''عمار خان کے غلط نظریات سے براءت'' کی خوش فہمی نری خوش فہمی ہی ہے۔ درحقیقت یہ طرزِ عمل محض خانہ پری اور بزرگوں کی زبان کو بند رکھنے کا ایک حیلہ ہے۔

گذشتہ مضمون میں عرض کیا گیا تھا کہ حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب نے اکابر کے ساتھ جو طرز اختیار کیا ہے اور ساری مزاحمتوں اور اختلاف کے باوجود عمار خان صاحب کی جس طرح حوصلہ افزائی کی ہے، اگر اَدب مانع نہ ہو تو اِسے اُن بزرگوں کے ساتھ، جن کی مشاورت سے تحریر مرتب کی گئی تھی، ''فریب'' قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِس لیے کہ بزرگوں کی مشاورت سے جو تحریر مرتب کی گئی تھی، اور اکابر وفاق نے حسنِ ظن کی بنا پر وہ تحریر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں شائع بھی کر دی ہے۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب نے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں اُس تحریر پر اکتفا کرنے کے بجائے اُسے نقل کرنے کے بعد چند سطور لکھ کر اُسے عملاً غیر مؤثر کر دیا ہے۔

اُس تحریر میں نہ صرف عمار خان صاحب کی حوصلہ افزائی اور اُن کی پشت پناہی بعنوان 'مکمل اعتماد' کا ذکر ہے، بلکہ ماہنامہ ''الشریعہ'' کی پالیسی پر 'ص' بھی ہے۔ حالانکہ دوسری طرف مولانا زاہدالراشدی تحریری طور پر اکابر کو اطمینان دِلا چکے ہیں کہ ''ماہنامہ الشریعہ کے بارے میں اُن کے تحفظات کا لحاظ رکھا جائے گا۔'' لیکن ''الشریعہ'' میں مولانا زاہدالراشدی صاحب نے اپنے اُس وعدے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

دراصل اِس موقع پر مولانا زاہدالراشدی صاحب نے دوہری بلکہ تہری چال چلی ہے۔

☆......ایک طرف اکابر اور مذہبی طبقات کو مطمئن کرنے کے لیے اکابر کی مشاورت سے مرتب کردہ تحریر پر دستخط کر کے صدرِ وفاق کو بھیج دی۔ اور ''الشریعہ'' کی پالیسی کے حوالے سے بزرگوں کے تحفظات کا لحاظ رکھنے کا وعدہ بھی کر لیا۔ جس پر سب بزرگوں نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔

☆......دوسری طرف اپنے فرزند من پسند عمار خان صاحب کو راضی رکھنے کے لیے ماہنامہ ''الشریعہ'' میں وہ تحریر نقل کرنے کے بعد چند جملے عمار خان صاحب کی حوصلہ افزائی میں بھی لکھ دیئے۔

☆......اور تیسری طرف ''الشریعہ'' کے قارئین کے سامنے الشریعہ کی پالیسی، اہداف، دائرہ اور معیار کو 'مزید بہتر انداز' میں آگے بڑھانے کی امید ظاہر کی۔ اور اُن کو اِس بات سے بھی لاعلم رکھا کہ ''بزرگوں کو الشریعہ کے بارے میں تحفظات ہیں۔'' اور اپنے اُس وعدے سے بھی قارئین کو بے خبر رکھا جو بزرگوں سے کیا تھا کہ: ''الشریعہ کے حوالے سے بزرگوں کے تحفظات کا لحاظ رکھا جائے گا۔'' وہ تحفظات کیا ہیں؟ اور اُن کا لحاظ کس طرح رکھا جائے گا اور کون رکھے گا؟ اِس کی کوئی وضاحت بھی مولانا نے نہیں فرمائی۔

اِس تہری چال سے ہٹ کر عمار خان صاحب کے حوالے سے مولانا زاہدالراشدی صاحب کی ایک اور ''جانب داری'' بھی ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کی اُس تحریر سے واضح ہوئی جس سے مولانا نے اپنے قارئین کو لاعلم رکھنا چاہا۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک عزیزم عمار خان کی بعض تحریرات کا تعلق ہے میں نے پہلے بھی اُن سے اختلاف کیا ہے، آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، البتہ اُن میں سے جن باتوں کو جمہور اہل سنت کے موقف کے خلاف سمجھا جارہا ہے اُن کا جائزہ لینے کے بعد میں اُن کے بارے میں عمار خان کو رجوع کا مشورہ دوں گا اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں اُس کی تحریروں سے لاتعلقی کا واضح اعلان کر دوں گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ'' [ص:۶۱]

مولانا کو عمار خان صاحب سے ''اختلاف'' ہے۔ لیکن مولانا نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ اختلاف کس درجے کا ہے؟ کیونکہ اختلاف تو مولانا کو اپنے والد گرامی حضرت امام اہل سنتؒ سے بھی ہے، اور بہت سے مسائل میں ہے۔ مثلاً تکفیر شیعہ، رضا خانیوں کا شرعی حکم، تصویر وغیرہ۔ بلکہ تصویر کے معاملے میں تو مولانا کو جمہور علماء سے اختلاف ہے۔ آیا اُس اِختلاف اور عمار خان سے اختلاف کی نوعیت میں کوئی

فرق ہے یا دونوں یکساں ہیں؟!

نیز''عمار خان کی تحریرات کا جائزہ لے کر اُسے رجوع کا مشورہ دینا اور نہ ماننے پر واضح لاتعلقی کا اعلان کرنے کا وعدہ'' مولانا زاہدالراشدی صاحب کا پرانا حربہ ہے۔مولانا یہ وعدہ تو بارہا کر چکے ہیں لیکن آج تک نہ ایسا وہ کر سکے ہیں اور نہ ہی آئندہ کرنے کے موڈ میں نظر آتے ہیں۔ بلکہ وہ عمار خان صاحب کی تمام تحریرات ونظریات کو کھینچ تان کر مسلمات جمہور کے دائرے میں ہی دِکھانا چاہتے ہیں۔تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔عمار خان صاحب کی جمہور امت سے الگ آراء اور نظریات کی صدا شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم جیسے ضعیف وعلیل بزرگ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم جیسے مصروف ترین شخص کے کانوں تک پہنچ گئی اور مولانا راشدی ابھی ''جائزہ لینے'' کی باتیں ارشاد فرما رہے ہیں! کیا یہ'استادی' کی انتہاء نہیں ہے؟

مولانا راشدی بارہا یہ فرما چکے ہیں کہ:''غیر جانبدار اور ذمہ دار'' علماء جو فیصلہ کریں گے، مجھے منظور ہوگا۔مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم،مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور مولانا مفتی کفایت اللہ مدظلہم یقیناً مولانا راشدی صاحب کی نظر میں اِن صفات کے حامل ہوں گے۔مولانا صاحب کو یہ معاملہ بھی اِن حضرات کے سپرد کرنا چاہیے تھا کہ یہ حضرات عمار خان کے اُن نظریات کی تعیین فرما دیتے جو جمہور اہل سنت کے مخالف ہیں۔پھر مولانا اُن سے عمار خان کو رجوع کا مشورہ دیتے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں اُس کی تحریرات سے لاتعلقی کا واضح اعلان کر دیتے۔

لیکن مولانا نے ایسا نہیں کیا۔بلکہ ہمیشہ کی طرح عمار خان صاحب کے معاملے میں فیصلے کا قلم اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، تاکہ خلافِ مزاج کوئی فیصلہ صادر نہ ہونے پائے۔اور تفردات کی آڑ لے کر عمار خان کی تمام تحریرات ونظریات کو مسلماتِ جمہور کے دائرے میں ہی باور کرایا جائے۔

۵)......اِس تناظر میں مولانا سے پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ عمار خان صاحب کے' خلافِ جمہور نظریات کی تعیین کا معاملہ بھی اکابر کے سپرد کر دیں۔اِس فیصلے کا قلمدان'برائے کرم!اپنے پاس نہ رکھیں۔

اور یہ مطالبہ تو پہلے ہی ہم کر چکے ہیں کہ عمار خان صاحب کی مجموعی فکر اور طرزِ فکر سے براءت کا اعلان بہرحال مولانا کو کر دینا چاہیے۔جس کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے لکھا ہے:

''(عمار خان کے)مضمون کا جو مجموعی طرزِ فکر ہے، وہ بندے کو نہایت خطرناک محسوس ہوتا ہے، اِس طرزِ فکر کے ساتھ انسان کسی وقت کسی بھی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔''[مجلّہ صفدر، ش:۴۴، ص:۱۲]

حضرت امام اہل سنتؒ کی تعلیمات کی روشنی میں اُن کی روح کی تسکین کے لیے بھی یہ اقدام انتہائی ضروری اور لازمی ہے۔کیا ہم مولانا زاہدالراشدی صاحب سے اِن مطالبات کی قبولیت کی اُمید رکھ سکتے ہیں!؟

☆☆☆☆

قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

مجلس ذکر

(۱)......(حضرت) مولانا (عبداللطیف) جہلمی مرحوم (خلیفہ مجاز: جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ) اپنے متوسلین کو ذکر وظیفہ کی تلقین وتاکید تو فرماتے تھے، لیکن ملک میں مروجہ مجالس ذکر کے طریق پر آپ نے کبھی مجلس ذکر نہیں کرائی۔ میں نے اُن سے حضرت شیخ لاہوریؒ کی مجلس ذکر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے کہا: میں صرف ایک مرتبہ شیرانوالہ آپ کی مجلس ذکر میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے کبھی بھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ مجلس ذکر میں کیوں نہیں حاضر ہوتے؟ اور نہ مجاز بنانے کے بعد کبھی حضرت نے مجلس ذکر منعقد کرنے کا حکم دیا ہے اور جہلم میں حضرت کئی دفعہ تشریف لائے ہیں۔ لیکن وہاں کبھی بھی حضرت نے مجلس ذکر نہیں کرائی۔

(۲)......مناظر اہل سنت مولانا محمد امین صفدر صاحبؒ اوکاڑوی بھی حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، میں نے اُن سے بھی مجلس ذکر کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: میں نے خود حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضرت ہم بریلویوں کے جماعتی ذکرِ جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ذکر جہر کراتے ہیں۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔''

مجلس ذکر کی نوعیت:

ذکر اللہ تو مطلوب ومقصود ہے اور یہ روح کی غذا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: یاایھا الذین آمنوا اذکر واللّٰہ ذکراً کثیراً و سبحوہ بکرۃ و اصیلاo [الاحزاب:۴۲]

اے ایمان والو! تم اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ صبح وشام (یعنی علی الدوام) اس کی تسبیح و تقدیس کرتے رہو۔ [ترجمہ حضرت تھانویؒ]

البتہ اختلاف تو مجلس ذکر کی نوعیت میں ہے کہ ذکر جہر ہو یا خفی۔ انفرادی ہو یا اجتماعی۔

جریدہ ''الارشاد'' اٹک:

جریدہ ''الارشاد'' (اٹک) حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں شائع ہوتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔ اب حافظ نثار احمد الحسینی ساکن حضرو ''الارشاد'' کے مدیر ہیں اور مروجہ مجالس ذکر کی نشر واشاعت گویا اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اُنہوں

نے ''الارشاد'' [نومبر و دسمبر ۱۹۹۷ء] میں ایک مفصل مضمون بعنوان: ''مجالس ذکر ایک علمی اور تحقیقی جائزہ'' شائع کیا ہے اور انہوں نے یہ مضمون خدام الدین وغیرہ دوسرے رسائل میں بھی شائع کرایا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط استدلالات پیش کیے ہیں۔ اور بعض حوالہ جات پیش کرنے میں خیانت بھی کی ہے۔ کاش کہ وہ یہ مضمون نہ لکھتے اور جو دماغ اور وقت اُنہوں نے اِس میں صرف کیا ہے اور بطور ایک مشن وہ محنت کر رہے ہیں اِتنا وقت وہ اپنی اصلاح میں لگاتے تو کچھ کام بن جاتا۔ اُنہوں نے حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر کو بھی بطور حجت پیش کیا ہے اور بعض دوسرے حضرات بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ:

۱......فعل مشائخ حجت نہ باشد

۲......بزرگوں کے بعض تفردات ہوتے ہیں جو قابل اتباع نہیں ہوتے۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

''زندہ ولی کی زیارت کے لیے سفر کر کے جانا جائز ہے۔ لیکن اولیائے کرام کے مزارات پر سفر کر کے جانا منع ہے، میری تحقیق یہی ہے۔ اور اگر کسی اور کام کے لیے کسی جگہ جائیں تو پھر اولیاء کرام کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضری دینا جائز ہے۔'' [مجلس ذکر حصہ سوم: ۲۶]

حالانکہ اکابر مشائخ اہل سنت دیوبند اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''نیز اولیاء اللہ اور مشائخ کے مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے۔ اور فراغت کے اوقات میں ان کے مزاروں پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کرے۔''

[سلاسل طیبہ، مؤلفہ: حضرت مدنی قدس سرہ]

اور حضرت لاہوریؒ کے متوسلین اور خلفاء نے بھی غالباً حضرت لاہوریؒ کی مندرجہ تحقیق پر عمل نہیں کیا اور وہ مزارات اولیاء کے لیے سفر کرتے رہتے ہیں۔

ذکر جہر کا مقصد:

(۱)......حضرت لاہوری فرماتے ہیں:

''عرض یہ ہے کہ ذکر جہر کا مقصد یہ ہے کہ تمام خیالات ایک جگہ بند ہو جائیں۔ نہ ذکر زیادہ بلند آواز سے کرنا چاہیے نہ بہت آہستہ آہستہ۔ بعض نو وارد آ جاتے ہیں، جن کو اِس بات کا علم نہیں ہوتا، اِس لیے وہ بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے لگتے ہیں۔

تربیت یافتہ احباب کا فرض ہے کہ اُن کو روک دیا کریں۔ آہستہ سے اُن کو کان میں کہہ دیں کہ اتنا زور نہ لگائیں۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بہرے کو تو نہیں سنا رہے۔'' [مجلس ذکر حصہ پنجم: ۱۰۸۔۲۲ جمادی الاولی ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء ایضاً ملاحظہ ہو ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء]

(۲)......حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں، کوئی شخص اس میں شریک ہو جائے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اگر نہ شریک ہو تو ہم اسے مجبور نہیں کرتے۔ لیکن جو انسان بھی اس مجلس ذکر میں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے شامل ہوتا ہے خالی نہیں لوٹتا۔ بلکہ اللہ کی طرف سے جھولیاں بھر کر واپس ہوتا ہے۔ اکٹھے ہو کر ذکر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ بدوں کی بھی قبولیت ہو جاتی ہے۔ حضرت نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا تھا۔ حالانکہ حضرت کا مزاج یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی حالت میں درس قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔'' [ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر اور مروجہ مجالس ذکر میں بڑا فرق ہے۔ اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔ چنانچہ میں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی خطیب جامع مسجد صدیق اکبر چوہڑ راولپنڈی کی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مجلس ذکر کی کیسٹ سنی ہے۔ مجلس ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلس ذکر میں شامل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں۔

(ملاحظہ ہو۔ براہین قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ)

ایک دفعہ لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے اجلاس میں حاضری کے بعد منچن آباد ضلع بہاولنگر کے جلسہ میں شرکت کر لیے بذریعہ ریل مولانا عبیداللہ انور صاحب کے ساتھ گیا۔ راستے میں مولانا مرحوم سے میں نے کہا کہ: یہ آپ نے کیا بنایا ہوا ہے کہ فلاں ماسٹر کو فلاں حافظ کو فلاں صوفی کو مجلس ذکر کی اجازت دیتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ خود حضرت لاہوریؒ نے مرکز میں بھی مجلس ذکر ختم کر دی تھی، پھر ہم نے عرض کر کے مجلس ذکر جاری کرائی۔ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کے مفاسد پر نظر ہوئی ہوگی اور جو مروجہ مجالس ذکر کا حال ہے اگر یہ حضرت کی زندگی میں ہوتا تو آپ مجلس ذکر سے دوسروں کو بھی روک دیتے۔ کیونکہ مفاسد کی وجہ سے امر مستحب بھی بدعت قرار دیا جاتا ہے اور اب تو مجلس ذکر گویا کہ پیری مریدی کے لیے لازم سمجھی جاتی

ہے۔ چنانچہ رسائل میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب نے فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائی اور فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائیں گے۔

اکابر اہل سنت:

اکابر اہل سنت دیو بند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین مدنی قدس اللہ اسرارہم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکر جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی کرائی ہیں۔

(۱)......ارشادِ خداوندی:

واذكر ربك فى نفسك تضرعاً و خيفه و دون الجهر من القول بالغدو و الاٰصال و لا تكن من الغافلين. [سورۃ الاعراف:۲۰۵]

(آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام (یعنی علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔[ترجمہ حضرت تھانویؒ]

اس میں انفرادی طور پر بھی آہستہ آواز سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ جماعتی طور پر بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ تعجب ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کے داعی حضرات اس حکم خداوندی کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(۲)......حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ آیت ''ادعوا ربكم تضرعًا و خفية انه لا يحب المعتدين.''[الاعراف:۵۵] کے تحت لکھتے ہیں:

''ثم أجمع العلماء على أن الذكر سرًا هو أفضل، والجهر بالذكر بدعة، إلا فى مواضع مخصوصة...... الحاجة فيها إلى الجهر كالأذان والإقامة و تكبيرات التشريق و تكبيرات التشريق و تكبيرات الانتقال فى الصلوٰة للإمام والشيخ للمقتدى إذا ثاب تائية والتلبية فى الحج و نحو ذلك.'' [تفسیر مظہری:۵۵/۳]

تمام علماء کا اِس بات پر اجماع ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے اور ذکر جہر بدعت ہے مگر اُن مقامات پر جہاں جہر کی شرعی ضرورت پیش آئے مثلاً اذان واقامت اور یا عیدالاضحیٰ (عید قربان) کے ایام کی تکبیریں اور امام کے نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا یا تلبیہ یعنی ایام حج میں لبیک لبیک بلند آواز سے کہنا وغیرہ۔

(۳)......مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ میں ہے:

''منع از ذکر جہر می کنند کہ بدعت است باآنکہ ذوق وشوق می بخشند۔''

[دفتر اوّل حصہ چہارم مکتوب ۲۳۱]

یعنی اگر چہ ذکر جہر سے شوق شوق پیدا ہوتا ہے۔لیکن بدعت ہونے کی وجہ سے مشائخ نقشبندیہ اسے منع کرتے ہیں۔

اور اکابر نے جو انفرادی طور پر ذکر جہر کی اجازت دی ہے وہ بغرض علاج ہے۔خود جہر مقصود نہیں ہے۔بہر حال مروجہ مجالس ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں ان کو ترک کرنا چاہیے۔بخوف طوالت یہاں اختصار سے عرض کیا گیا ہے۔اور ان شاء اللہ تعالیٰ مروجہ مجالس ذکر کے متعلق تفصیلاً کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔واللہ الموفق۔

حضرت لاہوریؒ کے خلفاء میں سے مولانا جہلمی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے ذکر کے سلسلے میں بھی اکابر مشائخ اہل سنت دیوبند کے طرز عمل کی پیروی کی اور کبھی بھی مروجہ مجالس ذکر کے طریقہ پر مجلس ذکر نہیں کرائی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(مطبوعہ: ماہنامہ حق چار یارؓ......فخر اہل سنت مولانا عبد اللطیف جہلمی نمبر......جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء)

ضروری اعلان

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں جن حضرات نے نمایاں خدمات سرانجام دیں ان حضرات کے تذکرہ پر مشتمل ایک مجموعہ بنام

''گلستان ختم نبوت کے گل ہائے رنگارنگ''

کی تیاری پیش نظر ہے۔اس میں تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ، سیاستدان، صحافی، قانون دان، جماعتوں کے رہنما اور کارکن سب کا تذکرہ شامل ہوگا۔اس سلسلہ میں الحمد للہ! بہت سارا مواد جمع ہوگیا ہے۔مزید محنت جاری ہے۔اس اعلان کے ذریعہ ملک بھر کے اس سلسلہ میں دلچسپی رکھنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کی فوت شدہ شخصیات کی ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں خدمات پر مختصر اور جامع نوٹ بمع تاریخ وفات کے ارسال فرمائیں۔اس اعلان کے چھپنے کے بعد دو ہفتہ کے اندر اندر رجسٹرڈ ڈاک سے ذیل کے پتہ پر بھجوا دیا جائے۔اختصار کو مدنظر رکھا جائے۔

(مولانا) اللہ وسایا......دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

حافظ محمد شمس الدین خان طلحہ صفدری بن شیخ قارن مدظلہم قسط:۴

اِفاداتِ شیخین کریمین

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ......مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

۸)......بیت المقدس:

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بیت المقدس کے شہر میں جو مسجد اقصی ہے جس پر ۱۹۶۷ء میں یہودیوں نے قبضہ کیا ہے اور ابھی تک اُن کے قبضہ میں ہے اور بے غیرت مسلمان ابھی تک ان سے قبضہ چھڑا نہیں سکے۔[ذخیرہ:۷۹/۳]

ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مسجد اقصی کی تعمیر کی اُس کے بعد جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے بڑی شاہی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مسجد اقصی کو تعمیر کیا۔حضرت عمرؓ کے دور میں بیت المقدس فتح ہوا اور ہمارے پاس رہا۔۱۹۶۷ء میں یہود نے ہم سے چھین لیا اور ابھی تک یہود کے قبضہ میں ہے اور بے غیرت مسلمان سوئے ہوئے ہیں۔[ذخیرہ:۱۹۷/۳......ذخیرہ:۲۹۵/۳]

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بیت المقدس اور فلسطین کا ذکر آیا ہے تو اس کے ناگفتہ بہ حالات پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔ مسلمانوں کے اِس مقدس مقام اور قبلہ اول پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔اسرائیل کے قیام کے بعد انہوں نے اپنا دارالحکومت تل ابیب کو بنایا تھا مگر جب سے انہوں نے فلسطینیوں کو ان کے وطن سے بالکل بے دخل کیا ہے، یہودی اب بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت بنانا چاہتے ہیں۔اُن کا دعوی ہے کہ پہلے زمانے میں بھی بیت المقدس ہی یہودیوں کا مرکز ہوتا تھا،لہٰذا اَب بھی یہ اُنہی کے تسلط میں آنا چاہیے۔اِس معاملہ میں یہودیوں کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ ہر طریقے سے مسلمانوں کو وہاں سے بے دخل کر کے بیت المقدس پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اَب تمام عربوں نے جہاد کے اُصول کو ترک کر کے وطنیت کو بنیاد بنالیا ہے۔یاسر عرفات اسلام کی بنیاد پر مسلمانوں کی امداد نہیں چاہتا بلکہ اُس نے وطنیت یعنی عرب قومیت کا نعرہ لگا کر فلسطین پر دوبارہ تسلط حاصل کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے،لہٰذا تمام فلسطینی دھکے کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ [خطبات سواتی:۷۷/۶،۷۸]

حضرت مفسر قرآن رحمہ اللہ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:

امریکی صدر کلنٹن نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس کو اسرائیلی دارالحکومت بنا کر چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ مسلسل اس سکیم پر کام کر رہے ہیں۔ امریکہ کو اِس ظلم کا حق کس نے دیا ہے؟ یہ تو محض جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہے، تیس سال قبل یہودیوں نے بیت المقدس کو آگ بھی لگا دی تھی مگر مسلمان حکمران اِس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں کہ اُنہوں نے اِس کاروائی پر کوئی عملی ایکشن نہ لیا۔ ظاہر ہے کہ جب سے مسلمان قوم نے جہاد کا فریضہ ادا کرنے سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے، دنیا بھر میں اُن پر ذلت اور تباہی آ چکی ہے۔ یہ ترک جہاد ہی کا نتیجہ ہے جو سامنے آ رہا ہے۔ [خطبات سواتی: ۶/۴۵۷]

۹)......سچا دین صرف اسلام:

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خدا تعالیٰ کا وہ پسندیدہ اور پیارا دین جو سب اَدیان و مذاہب کا ناسخ اور قیامت تک اقوام عالم کے لیے راہنما ہے، جس کو امام الانبیاء خاتم النبیین اور سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنے بدن مبارک کا خون بہا کر اور طرح طرح کی اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کر کے خدا تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچایا تھا اور جس کو افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابو بکرؓ سے لے کر ایک چھوٹے سے صحابیؓ نے اپنی جانی اور مالی قربانی کے ذریعہ روئے زمین پر پھیلانے کی انتھک اور کامیاب کوشش کی اور جس کو تابعین اور اتباع تابعین اور محدثین اور فقہائے کرام نے اپنی زندگیاں وقف کر کے بعد کے آنے والوں تک پہنچایا۔ [راہ سنت: ۵]

حضرت امام اہل سنتؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

مذہب اور قانون فطرت اُس معیار اور مقیاس کا نام ہے جو مقرر و معین اور قانون کلی کی حیثیت رکھتا ہو۔ سچا اور صحیح مذہب اور آئین صرف وہی ہوتا ہے جس کی بنیاد حقیقی سچائی اور عالمگیر حقانیت پر ہو اور جس کے ذریعہ عقائد و اعمال اور اخلاق کو اَچھا یا برا کہا جا سکے۔ اور جس کے رو باطنی اور ظاہری اصلاح ہو کہ عذاب سے بچا جا سکے اور جس کے اُصول قطعی اور اٹل ہونے کے ساتھ ایسے جامع ہوں جو کائنات کی دینی اور دنیوی حاجت روائی کے لیے کافی ہوں۔ فطرت چونکہ حقیقی صداقت ہے اِس لیے مذہب اسلام کی بنیاد خالق فطرت نے فطرت پر رکھی ہے اور جس کی بابت یوں ارشاد فرمایا ہے:

فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله۔ [پ۲۱/الروم، رکوع ۴]

یہ اللہ تعالیٰ کا وہ قانون فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے (یعنی انسانی فطرت اسی دین کے موافق ہے) اور اس قانون میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

سچا مذہب وہ ہوتا ہے جو من جانب اللہ قطعی اور محکم طریقہ سے منکشف ہوتا ہے اور ہر صحیح الفطرت اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، وہ بنایا نہیں جاتا اور نہ اُس میں مخلوق کی ایجاد و احداث کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ غلط اور نادرست مذہب کی شناخت یہ ہوتی ہے کہ اُس کی بنیاد اُن خیالات اور اَوہام پر قائم کی جاتی ہے جو دِل کی دنیا میں پیدا ہوتے اور خواہشات کے دریا میں اور طوفان میں بہ جاتے ہیں اور نفس الامر سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ فطرت سے بے گانہ اور حقیقت اور صداقت سے کوسوں دور ہوتے ہیں، گو اُن کی ظاہری چمک دمک سادہ لوح اور سطحی قسم کے لوگوں کی نارسا آنکھوں کو خیرا کر دیتی ہے اور وہ اُس سے متاثر ہو کر اس دام ہمرنگ زمین کا شکار ہو جاتے ہیں۔ [راہ سنت: ۱۲]

مخلوقات عالم میں صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کو خدا تعالیٰ نے خاص قسم کی صلاحیت اور استعداد عطا فرما کر ایک محدود دائرہ میں آزاد ارادہ اور اختیار دے دیا ہے اور اس آزاد ارادہ اور اختیار کے لیے اس کو قانون دے کر اس کی تعمیل چاہی ہے۔ اسی قانون کا نام دین اور مذہب ہے اور اسی کی تعلیم اور یاد دہانی کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور اسی سلسلہ تعلیم کو امام الانبیاء سید الرسل خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے مبعوث ہو کر پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اسی کا آپ کی وفات حسرت آیات سے اکیاسی (۸۱) روز قبل ہزاروں کی تعداد میں ان قدسی صفات اور پاک نفوس کے بھرے مجمع میں میدان عرفات کے اندر نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے دن اور عصر کے وقت یہ اعلان کروایا گیا کہ:

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا.

[پ ۶، المائدہ رکوع ۱]

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔ [راہ سنت: ۱۴]

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ان الدين عندالله الاسلام. یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچا دین صرف اسلام ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام اِسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اِس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف اگر کوئی ہے تو شریعتوں میں ہے، کیونکہ اُن میں فروعی احکام ہوتے ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ، مجوس یا مشرکین کا یہ دعویٰ کہ اُن کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے، یہ تو کذب بیانی اور خلاف واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دین اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں سچا وہی ہوگا جو دین اسلام کا پیروکار اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے والا ہوگا۔ [تفسیر معالم

العرفان فی دروس القرآن:۳/ ۷۷]

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ جب اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔ اَسْلِمْ. یعنی اسلام لے آو۔ اللہ کے سچے دین کو قبول کرلو، اس کی اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کردو، توانہوں نے جواب میں کہا: أسلَمتُ لِرَبِّ العٰلَمِین. میں نے تمام جہانوں کے رب کا نازل کردہ دین قبول کرلیا، اُس کا فرمانبردار ہوگیا، میں نے اسلام قبول کرلیا۔ کیوں کہ ان الدین عند اللہ الاسلام. اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے، مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بنا رکھے ہیں، کیا ان کے بارے میں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے کہ جھوٹے اور کفر وشرک والے ادیان کو تسلیم کریں۔[معالم:۳/ ۲۷۸،۲۷۹]

۱۰)......منکرین قرآن:

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

تمام اہل اسلام کا یہ پختہ عقیدہ اور اس پر انکا اتفاق واجماع ہے کہ آج جو قرآن کریم مسلمانوں کے پاس موجود ہے، یہ بعینہ وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جو بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام تئیس (۲۳) سال میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ وغیرہا مقامات میں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا جس میں ایک حرف کی کمی بیشی تغیر وتبدل اور حذف واضافہ نہیں ہوا اور نہ تا قیامت ہوگا، مگر شیعہ وامامیہ کے نزدیک قرآن کریم میں کمی بیشی واقع ہوئی ہے۔ [ارشاد الشیعہ:۳۱]

جب مذہب شیعہ میں قرآن کریم محرف ومبدل ہے کیونکہ ان کی متواتر روایات اُن کو اِس پر مجبور کرتی ہیں اور اُن کے متقدمین ومتاخرین کا اتفاق واِجماع اِس پر مستزاد ہے، تو پھر اِس قرآن کریم کی اُن کی ہاں کیا قدر ومنزلت ہوسکتی ہے جس کو مسلمان پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اِس کے حفظ سے اپنے سینوں کو منور کرتے اور خوشی مناتے ہیں۔ [ارشاد الشیعہ:۳۵]

شیعہ کے چار علماء کے بغیر اُن کے باقی تمام متقدمین اور متاخرین کا اِس پر اِتفاق واِجماع ہے کہ موجودہ قرآن محرف اور مبدل ہے۔ کیا شیعہ شنیعہ کی تکفیر کے لیے یہی ایک نص قطعی کافی نہیں ہے۔ الغرض دیگر بے بنیاد اور باطل عقائد شیعہ کے اپنے مقام پر ہیں جو سب کفر ہیں اور قرآن کریم کی تحریف کا دعوی اپنی جگہ قطعا اور یقیناً اُن کی تکفیر کا موجب ہے جس میں ایک رتی بھر بھی شک وشبہ نہیں۔ لاریب فیہ۔[ایضا:۳۸]

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بھائی! جولوگ آغا خان کو خدا اور اِلٰہ مانتے ہیں وہ تو کافر ہیں اور جو اُس کو معصوم مانتے ہیں وہ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ یہ بالکل رافضیوں کا مسئلہ ہے جو شیعہ اور رافضی قرآن پاک کو محرف مانتے ہیں وہ تو کافر ہیں۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ قرآن وہ نہیں ہے جو حضور محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا وہ بھی کافر ہیں۔ غرضیکہ جو آغا خانی، آغا خان کو خدا کا اوتار یا معصوم مانتے ہیں اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

[خطبات سواتی:۲/۸۷]

☆......☆......☆......☆

وفیات

......مولانا بلال احمد [چنیوٹ] کے خالہ زاد بھائی حضرت میاں مسعود احمد صاحب دین پوری مدظلہم کے فرزند نسبتی میاں ہمایوں اختر دین پوریؒ [۱۲/ربیع الثانی،۲۳/جنوری]

قارئین سے مرحوم کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

(صفحہ نمبر 41 کا بقیہ)

حضرت نانوتویؒ اپنے ہمعصر ایک عالمِ دین کا جواب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی مگر ہاں آپ گوشہ عنایت و توجہ سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں، اخبار بالعلۃ تکذب اخبار بالمعلول نہیں ہوتا بلکہ اس کا مصداق اور مؤید ہوتا ہے، اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر کی اور شروع ''تحذیر'' ہی میں اقتضاء خاتمیت مرتبی کا بہ نسبت خاتمیت زمانی ذکر کر دیا۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہوں گے جس طرح آیت ''**انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن**'' میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں اور اس میں ایک مفہوم کا انواع مختلفہ پر محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔'' [مناظرہ عجیبہ:۳۷، از حضرت نانوتویؒ]

نوٹ: ماہنامہ الحقیقہ، تحفظ ختم نبوت نمبر میں تبسم بادشاہ بخاری صاحب کا ایک مقالہ بعنوان ''تحذیر الناس کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ''، جو کہ ایک خودساختہ تاریخی بیانیہ ہے، کا ایک الگ مضمون میں تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ ☆☆☆☆ ☆☆☆☆

رجم کی مشروعیت (قسط:۸) ابو مطیع

جناب محمد عمار خان ناصر کے بارے میں

جاوید احمد غامدی صاحب کے شاگردِ رشید اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کے فرزندِ من پسند جناب عمار خان صاحب کی تحریرات کے بارے میں ایک شکوہ یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں تشکیک پیدا کرنے کا ''فریضہ'' انجام دینے کے درپے رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ مسائل جن میں غامدی صاحب نے جمہور سے الگ رائے قائم کی ہے۔ مسح علی الخفین اور مرتد کی سزا کے حوالے سے دو مثالیں سابقہ قسط میں بیان ہو چکیں۔ مزید مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔[ادارہ]

(۳)......تیسری مثال

اِس بات کو مانتے ہوئے کہ اَحادیث کے مطابق رجم زنا کی سزا ہے۔ اور اِس بات کو بھی تسلیم کرتے ہوئے کہ رجم کی آیت کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے اور اس کے راوی حضرت عمرؓ کے علاوہ اور صحابہؓ بھی ہیں، رجم کے مسئلہ کو مشکوک کرنے کے لیے محمد عمار صاحب نے کئی سوال اٹھائے ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابن عباسؓ جو حضرت عمرؓ سے آیتِ رجم کی روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر مرد عورت محصن ہوں تو ان کے لیے حکم یہ ہے کہ انہیں نبی ﷺ کی سنت کی رو سے رجم کر دیا جائے۔

دوسرے حضرت ابن عباسؓ رجم کو قرآن کریم کی اس آیت سے اشارۃً مذکور مانتے تھے: ''يَـآ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ'' (المائدۃ:۱۵) اگر وہ فی الواقع سیدنا عمر کے مذکورہ خطبے کے راوی ہیں جس میں انہوں نے رجم کے قرآن مجید میں نازل ہونے کا ذکر کیا ہے تو پھر ان کا اس سے مختلف رائے قائم کرنا بظاہر سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

(دیکھئے حدود و تعزیرات چند اہم مباحث: ۱۵۸،۱۵۷)

الجواب:

[۱]......حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ قرآن میں آیت رجم تھی مگر چونکہ تلاوت کے منسوخ ہونے کی وجہ سے وہ مصحف میں مکتوب نہ تھی اس لیے حضرت ابن عباسؓ نے استدلال کے وقت دوسری آیت کا ذکر کیا۔

[۲]......سنت سے سزا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ قرآن کے خلاف سمجھتے تھے۔ جبکہ تم نے خود بھی مانا کہ وہ دوسری آیت سے اس کو مانتے تھے، اگر وہ رجم کو خلاف قرآن سمجھتے تو اشارۃ بھی قرآن کریم سے

استدلال نہ کرتے۔

[۳]......جیسے سنت کے حوالے سے بات کرنے سے سورۃ مائدہ کی آیت کا انکار نہیں اسی طرح سنت کا حوالہ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس منسوخ آیت کے نزول کے قائل ہی نہ تھے۔

[۴]......حضرت ابن عباسؓ نے سنت سے رجم کو سمجھا تو بتائیں کہ اس سنت کا ماخذ کیا ہے؟ وحی خفی ہے یا سورۂ مائدہ کی آیت یا وہی منسوخ آیت ہے۔ اگر تم کہو کہ اس کا ماخذ وحی خفی ہے تو اس کا حوالہ کیا؟ اور اگر کہو کہ سورۂ مائدہ کی آیت تو اس آیت میں رجم کی تصریح نہیں اس آیت سے رجم کی تصریح کا ماخذ دکھاؤ ہم تو تیسرے احتمال کو لیتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور ان کے قول میں تعارض نہیں مانتے۔ تمہارے مزاج پر اگر یہ بات نہیں آتی تو ہم تمہارے مزاج کے پابند نہیں۔

(۴)......چوتھی مثال

عمار صاحب نے آیت رجم کے منسوخ ہونے پر سوالات اٹھائے کہ آخر قرآن میں اِس کی تلاوت منسوخ کیوں کر دی گئی؟ (دیکھئے حدود وتعزیرات چند اہم مباحث: ۱۵۹تا۱۶۱)

الجواب:

[۱]......سوالات کر کر کے وساوس پیدا کرنا دین کی خدمت نہیں۔ اول تو علماء کو ایسے سوالات ذکر ہی نہیں کرنے چاہئیں اور اگر کسی کا شبہہ ذکر کرنا ہی ہے تو تسلی بخش جواب بھی ذکر کریں۔ رہی بات یہ کہ اِس آیت کے حکم کے باقی رہنے کے باوجود تلاوت کے منسوخ کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے اکابر سے جڑی رہے۔ قرآن کے معانی کو سمجھنے میں انسان اپنے آپ کو خود کفیل نہ سمجھ بیٹھے بلکہ آنحضرت ﷺ پھر آپ کے وارث علماء کرام کی تشریحات کا پابند بنے۔

(۵)......پانچویں مثال

ایک اور انداز سے مسئلہ رجم میں شک پیدا کرنے کے لیے عمار صاحب نے اپنی کتاب ''حدود وتعزیرات'' کے ۱۴۱تا۱۵۲، بارہ صفحات سیاہ کئے جس میں ایک مقام پر لکھا کہ:

''سورۂ نور آیت ۸ میں اللہ تعالی نے تعیین کے ساتھ شادی شدہ زانی کے لیے بھی سو کوڑوں ہی کی سزا کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ آیت ۲۔۳ میں زنا کی سزا بیان کرنے کے بعد آیت ۴۔۵ میں پاک دامن عورتوں پر بدکاری کا الزام لگانے والوں کے لئے قذف کی سزا بیان ہوئی ہے اور اس کے بعد آیت ۶۔۱۰ میں میں بیوی کے درمیان لعان کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس کی رو سے اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے اپنے الزام کے سچا ہونے پر پانچ قسمیں کھانا ہوں گی۔ اس کے بعد بیوی اگر زنا کی سزا سے بچنا چاہتی ہے تو اسے بھی اس الزام کے جھوٹا ہونے پر پانچ قسمیں کھانا ہوں گی۔ ارشاد

ہوا ہے: وَ يَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (النور:۸)
یہاں شادی شدہ عورت کی سزا کیلئے ''اَلْـعَـذَاب'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو معرفہ ہے اور عربی زبان کے قواعد کی رو سے اس سے وہی سزا یعنی ۱۰۰ کوڑے ہو سکتی ہے جس کا ذکر اس سے پیچھے آیت ۲ میں ''وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ'' کے الفاظ سے ہوا ہے۔'' [حدود و تعزیرات:۱۴۳]

دوسری جگہ لکھا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ لونڈی کے لیے بدکاری کی سزا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ''فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء:۲۵)
آیت میں نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ'' کے الفاظ اس مفہوم میں صریح ہیں کہ متکلم کے نزدیک آزاد عورتوں کے لئے زنا کی ایک ہی سزا ہے اور وہ ایسی سزا ہے جس کی تنصیف ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ رجم کی سزا اس کی مصداق نہیں ہو سکتی۔'' [حدود و تعزیرات:۱۴۵]

الجواب:

[۱]......سورۂ نور کی یہ آیات اکٹھی نازل نہیں ہوئیں پہلی آیات پہلے نازل ہوئیں لعان والی آیات بعد میں۔ چنانچہ شان نزول کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک انصاری نے آکر یوں کہا تھا: لَوْ أَنَّ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلاً فَتَكَلَّمَ بِهِ جَلَدْتُمُوهُ أَوْ قَتَلَ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى غَيْظٍ.
[مسلم:۱/۴۰۰، ابوداؤد:۱/۳۲۵]

دوسری روایت یہ ہے کہ: حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی بات کہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''البينةُ أو حدٌّ في ظهرك'' اس پر انہوں نے کہا: ''وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ، فَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِيْ مِنَ الْحَدِّ'' تب جبریل علیہ السلام لعان کی آیات لے کر نازل ہوئے [بخاری:۲/۶۹۵، ابوداود:۱/۳۲۵]

حضرت سعد بن عبادہؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا: **لو وجدت مع اهلي رجلا لم امسه حتى آتي باربعة شهداء**، تو آپ نے فرمایا: **نعم** [مسلم:۱/۴۹۱]

تینوں روایات صحیح ہیں اور ان کے خط کشیدہ الفاظ بتاتے ہیں کہ چار گواہ لانے والی آیت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ الغرض جب آیات کا نزول ایک ساتھ نہیں تو یہ بھی ضروری نہیں کہ آیت ۸ میں اَلْعَذَاب سے وہی مراد ہے جسے آیت ۲ میں عَذَابَهُمَا سے ذکر فرمایا۔ الغرض سورۂ نور آیت ۸ میں اَلْعَذَاب سے مراد حدِ زنا ہے جو بھی ہو، ہاں جو حدیث نبوی کی صداقت کا انکار کرے وہ اِس سے صرف کوڑے مراد لے سکتا ہے۔

[۲]...... چونکہ رجم کی تنصیف نہیں ہو سکتی اس لیے سورۃ النساء آیت ۲۵ میں العذاب سے مراد

کوڑوں کی سزا ہے جس کا سورۃ النور آیت ۲ میں ذکر ہے۔

دوسرے اِس کے بارے میں حدیث نبوی موجود ہے۔ چنانچہ خود محمد عمار صاحب نے ص ۱۴۰ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: **إذا زنت الأمة فاجلدوها ثم إذا زنت فاجلدوها ثم إذا زنت فاجلدوها .قال فی الثالثة أو الرابعة.فبيعوها ولو بضفير.** '' [بخاری:۱/۳۹۷]

تیسرے یہ کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کی حد پچاس کوڑے ہیں امام ابن رشدؒ فرماتے ہیں: **فإن العلماء أجمعوا علی أن الأمة إذا تزوجت وزنت أن حدها خمسون جلدة** [بداية المجتهد :۲/۴۳۷] جبکہ آزاد مسلمان احصان کے بعد زنا کرے تو اس کا معاملہ ہرگز ایسا نہیں۔ لہٰذا سورۃ النساء آیت ۲۵ سے اِس موضوع پر استدلال درست نہیں۔

[۳]......قرآن کریم میں اور بہت سے الفاظ مکرر آئے ہیں جن کا ہر جگہ ایک ہی معنی نہیں لیا جاتا یہاں ایک ہی معنی پر اصرار کیوں؟ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ارشاد فرمایا: **وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ.** [الروم:۵۵] ظاہر ہے کہ خط کشیدہ دونوں لفظ ایک معنی میں نہیں۔

۲۔قرآن پاک میں **اصحاب الجنة** سے عموماً بہشت میں جانے والے ہی مراد ہیں مگر ارشادِ باری: **إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ.** [القلم:۱۷] میں '' **أَصْحَابُ الْجَنَّةِ** '' سے بہشتی مراد نہیں۔

۳۔ **اصحابُ النار** سے ہر جگہ دوزخی مراد ہیں سوائے ایک مقام کے ارشاد فرمایا: **وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً.** [المدثر:۳۱]

۴۔قرآن کریم میں **فَتَيَات** سے باندیاں مراد ہیں ارشاد فرمایا: **وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ.** [النساء:۲۵] نیز فرمایا: **وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ.** [النور:۳۳] لیکن اس مادہ کے دوسرے الفاظ میں تو یہ معنی متعین نہیں چنانچہ ارشاد فرمایا: **إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ** [الکہف:۱۰] **وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ** [یوسف:۶۲] **وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ** [الکہف:۶۰]

۵۔**المحصنات** کا لفظ ہی دیکھ لیں کہیں شادی شدہ کے معنی میں کہیں پاک دامن کے معنی میں کہیں قید میں لائی ہوئیں اگر معنی کا فرق نہ مانیں تو سخت تعارض آجاتا ہے۔ چنانچہ شادی شدہ عورت سے نکاح کی ممانعت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ.** [النساء:۲۴] اس سے اگلی آیت میں فرمایا: **وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ**

أَيۡمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ. [النساء:۲۵] یہاں **المحصنات** سے شادی شدہ تو مراد نہیں کیونکہ یہ معنی تو نہیں کہ جو شخص شادی شدہ عورتوں سے نکاح نہ کر سکے وہ باندی سے کر لے اور خود محمد عمار صاحب نے ''**فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى المحصنات مِنَ الْعَذَابِ.**'' کا ترجمہ یوں کیا ''پھر جب وہ قید نکاح میں آ جائیں اور اس کے بعد بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان کو اس سے آدھی سزا دی جائے جو آزاد عورتوں کو دی جاتی ہے۔'' [حدود و تعزیرات:۱۴۵]

دیکھو موصوف نے **المحصنات** کا معنی ''آزاد عورتوں'' کیا ہے۔ یہاں ان کو یہ کیوں نہ سوجھی کہ جو معنی اس لفظ کے پچھلی آیت میں ہیں وہ یہاں لے لیں۔

نوٹ: محمد عمار صاحب نے ''**فَإِذَا أُحْصِنَّ**'' کا ترجمہ کیا: ''جب وہ قید نکاح میں آ جائیں''۔ جبکہ جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمہ بھی عجیب ہے وہ ''**فَإِذَا أُحْصِنَّ**'' کا ترجمہ کرتے ہیں: ''پھر جب وہ پاک دامن رکھی جائیں۔'' [البیان:۱/۴۸۰]

الغرض جب ان مقامات میں کسی قرینہ کی وجہ سے ایک لفظ کے ایک ہی معنی نہیں لے سکتے تو احادیثِ متواترہ اور اجماع امت کے پیش نظر سورۃ النساء اور سورۃ النور میں ''**اَلْعَذَاب**'' کے لفظ سے الگ الگ معنی کیوں مراد نہیں لے سکتے؟

فائدہ: حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ایک مقام پر فرمایا: **وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا.** [الانبیاء:۹۱] دوسری جگہ فرمایا: **وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا.** [التحریم:۱۲] چونکہ ان کا کسی سے نکاح نہیں ہوا اس لئے ان کی شان کے مطابق ان آیات کا معنی لیا جائے گا حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پہلی آیت کا ترجمہ و تفسیر یوں کرتے ہیں:

اور ان بی بی (مریم کے قصہ) کا (بھی) تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو (مردوں سے) بچایا (نکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) پھر ہم نے ان میں (بواسطہ جبریل علیہ السلام) اپنی روح پھونک دی (جس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا)۔ [بیان القرآن:۷/۵۶]

اور دوسری آیت کا ترجمہ و تفسیر آپ یوں کرتے ہیں: اور (نیز مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ) عمران کی بیٹی (حضرت) مریم (علیہا السلام) کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حلال وحرام دونوں سے) محفوظ رکھا۔ [بیان القرآن:۱۲/۲۳]

مرزائی چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کا انکار کرتے ہیں اس لئے وہ ان آیات کا یہی معنی لیتے ہیں کہ حضرت مریم نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔

[دیکھئے محمد علی لاہوری مرزائی کی تفسیر بیان القرآن: ۱/۵۷، ۲۱۳، ۲۱۴، ۳۳۰، ج ۲ ص ۹۱۲، ۱۳۹۱]

یادرکھیں مرزائیوں کا یہ نظریہ قرآن، حدیث اور اجماع کے یقیناً خلاف ہے مگر اُن کے شبہات کا اِزالہ ہر کسی کے بس میں نہیں، اس لئے جب تک پختہ ایمان نہ ہو، گہرا علم نہ ہو، عام آدمی تو اپنی جگہ طلبہ بلکہ علماء کو بھی ان کی کتابیں دیکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ لوگ بھی جناب محمد عمار صاحب کی طرح سوال پر سوال کر کے ذہن کو منتشر کر ڈالتے ہیں بلکہ اُن کا اصل ہدف ہی یہ ہے کہ مسلمان اپنے عقائد ونظریات پر پختہ نہ رہنے پائے۔

جناب محمد عمار خان ناصر صاحب کا عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے بارے میں کیا نظریہ ہے یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر اتنی بات ہے کہ جب تک یہ اپنے قلم سے محمد علی لاہوری کے دیئے ہوئے مغالطات کا رد نہ کریں اور امت مسلمہ پر اعتماد ظاہر کر کے امت کے عقیدہ کو ثابت نہ کریں ہمیں اِس حوالے سے ان کے عقیدے کے بارے میں شک ہی رہے گا کیونکہ ان کو منفی سوالات بہت سوجھتے ہیں۔

راقم نے سورۂ آل عمران کی تفسیر کے تحت مرزائیوں کے ایسے شبہات کا مفصل جواب دیا ہے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ضمنی طور پر چند شبہات مع جواب ملاحظہ ہوں:

[۱]......حضرت عیسی علیہ السلام کی نسبت والدہ کی طرف اس لیے کہ حضرت مریم کے شوہر کو شہرت نہ تھی۔[تفسیر محمد علی مرزائی:۱/۷۵، حاشیہ ۱۱۱]

جواب:

اللہ تعالیٰ تو شہرت کا محتاج نہیں ورنہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے مشہور نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کو پتہ نہ چلا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو بھی پتہ نہ چلا مگر ہاں مرزائیوں کو پتہ چل گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

[۲]......قرآن نے عام ضابطہ بتایا **ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين** حضرت عیسیٰ علیہ اس سے مستثنیٰ نہیں[تفسیر محمد علی مرزائی:۱/۲۱۳ حاشیہ ۴۲۷]

جواب:

جیسے **والمطلقات يتربصن بانفسهين ثلاثة قروء** عام مخصوص منہ البعض ہے اسی طرح اِس ضابطے سے حضرت عیسی علیہ السلام مستثنیٰ ہیں، قرآن وحدیث کا ظاہر بھی یہی ہے اور امت مسلمہ کا اِس پر اجماع بھی ہے حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔[ایضا:۱/۱۳۳، ۱۳۴ حاشیہ ۲۹۱]

[۳]......**لم يمسسنى بشر** ماضی کے لیے ہے، اِس میں آئندہ کا کوئی ذکر نہیں۔

[تفسیر محمد علی مرزائی:۱/۲۱۳ حاشیہ ۴۲۷]

جواب

ماضی کی نفی تم بھی مان چکے، مستقبل میں کسی سے ملنا تم ثابت کرو! فقط اِمکان سے بات نہیں بنتی۔

[۴]......آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے کہا تھا تم جانتے ہو کہ ہر بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔[ایضاً: ۲۱۴/۱، حاشیہ ۴۲۸]

جواب: یہ اُس بچے کے لیے ہے جس کا باپ ہو، نہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے۔ اوراس میں عیسائیوں کا ردیوں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ **لم یلد ولم یولد** ہے اور عیسیٰ علیہ السلام ایسے نہ تھے۔

[۴]......وفدِ نجران سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا حضرت مریم کے بارے میں **ان عیسیٰ حملته امرأة كما تحمل المرأة.** [تفسیر محمد علی مرزائی: ۲۱۴/۱، حاشیہ ۴۲۷]

جواب:

یہاں حضرت مریم کا حاملہ ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام کا حمل میں ہونا بتا کر ان کی الوہیت کے عقیدہ کو رد کرنا مقصد ہے۔ حمل کے ہونے میں تشبیہ ہے سبب حمل میں تو نہیں۔ ٹیسٹ ٹیوب سے جو بچہ ہو اس کی ماں حاملہ تو عام عورتوں کی طرح ہوتی ہے، مگر سبب حمل کا فرق ہے۔

(۶)......چھٹی مثال

ارشاد باری ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَيْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنكُمْ. [النساء: ۱۵]

غامدی ''**يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ**'' کے تحت لکھتا ہے:

یہ فحبہ عورتوں کا ذکر ہے۔[البیان: ۴۶۴/۱]

''**أَرْبَعةً مِّنكُمْ**'' کے تحت لکھتا ہے:

یعنی اس بات کے گواہ کہ یہ واقعی زنا کی عادی فحبہ عورتیں ہیں سورۂ نور میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس جرم کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی یہ شرط اسی طرح برقرار رکھی ہے۔[البیان: ۴۶۵/۱]

مرزائیوں نے اپنی کتاب تفسیر کبیر [۲۵۷/۶] میں لکھا ہے کہ زنا کی سزا عادی مجرموں کے لیے ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم مرزائیوں کی عبارت نقل کر کے اُس کا رد لکھ چکے ہیں۔

محمد عمار صاحب اِس کی تائید میں ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ اسم موصول کا صلہ جب فعل مضارع ہو تو جیسے وہ نفس وقوع کیلئے آتا ہے کسی عادت اور معمول کو بیان کرنے کیلئے بھی آتا ہے۔[حدود: ۱۳۱]

پھر صفحہ ۱۳۲ر میں جاوید غامدی کی اس بات کو ترجیح دی ہے جو دراصل مرزائیوں سے ماخوذ ہے یا اُن کے موافق ہے۔ افسوس کہ احادیث متواترہ سے ثابت شدہ مسئلے پر سوالات اور غامدی کی بات کے لیے دلائل کی فراہمی۔!!

یہاں موصوف کو یہ سوال نہ سوجھا کہ سورۃ النساء مدنی سورۃ ہے جبکہ سورۂ بنی اسرائیل مکی۔ اور اس مکی سورت کی آیت ۳۲ میں **لَاتَقْرَبُوا الزِّنَا** ہے **لَا تَتَعَوَّدُوا الزِّنَا** تو نہیں، نجاشی بادشاہ کے سامنے حضرت جعفرؓ نے اسلام کا تعارف کراتے ہوئے کہا تھا **ونهانا عن الفواحش وقول الزور.** [سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۳۵۹] ''ہمیں آنحضرت ﷺ نے فواحش اور قول زور سے منع کیا۔'' یہ مطلب تو نہیں کہ اِن گناہوں کے ارتکاب سے نہیں بلکہ اِن کی عادت بنانے سے منع کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے بیعت لیتے وقت کہا تھا **ولا تزنوا.** [مشکوۃ: ۱۳، بخاری: ۱/ ۷، مسلم: ۲/ ۷۳] الغرض یہ بیعت زنا سے رکنے پر تھی نہ کہ زنا کی عادت بنانے پر، تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ ممانعت تو ہو مطلق گناہ سے۔ اور سزا ملے صرف عادی مجرم کو؟

پھر موصوف کو یہ سوال بھی نہ سوجھا کہ عادت کا پتہ کیسے چلے گا؟ اُس کا معیار کیا ہوگا جس کا صرف دو چار سے ناجائز تعلق ہو اُس کو بھی سزا ملے گی یا جس نے اِس کو ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے؟

اور یہ سوال بھی نہ سوجھا کہ سورۃ الفرقان مکی سورت میں عباد الرحمٰن کی صفات میں یہ جملے بھی ہیں:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ....وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا. [الفرقان: ۶۸، ۷۲] ہم مانتے ہیں کہ ان میں بعض کاموں کو عادت بنانے پر مدح ہے۔ جیسے خط کشیدہ کے بعد آخری جملہ۔ لیکن جن کاموں سے روکا گیا ہے ان کے تو قریب جانا بھی درست نہیں۔ ان لوگوں کے کہنے کے مطابق یہاں عادت کی نفی مراد لی جائے تو یہ مطلب بنے گا کہ کبھی کبھی شرک کرنے والے، کبھی کبھی قتل ناحق کرنے والے اور کبھی کبھی زنا کرنے والے اللہ کے ان خاص مقبول بندوں سے خارج نہیں جن کی مدح اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔ تو پھر بتائیں کہ شرک، قتل اور زنا کے اوپر جو وعیدیں آخرت کی ہیں وہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ جو یہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتے یا ہمیشہ کرتے رہتے ہیں؟ جیسے وہ مشرک جو بت خانے کی نگرانی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو پیسے لے کر ناحق قتل کرتے ہیں۔ ایک مثال سمجھئے کہ انسان سڑک پر گاڑی چلائے تو اس سے ہمیشہ اشارے کی پابندی مطلوب ہوتی ہے اور اشارے کو توڑنا کبھی درست نہیں۔ اشارہ توڑنے والے کا یہ عذر کوئی نہیں سنتا کہ میری عادت تو نہیں کبھی کبھی اشارہ توڑتا ہوں۔ ہمسائے کو دکھ دینے سے منع کیا گیا یہ مطلب تو نہیں کہ اِس کی عادت نہ بناؤ کبھی کبھی ہمسائی کے یتیم بچے کے تھپڑ مار دینا یا کبھی کبھی ہمسائی عورت سے زنا کرنا جب عادت نہ ہو تو قابل مؤاخذہ نہیں۔ ارے! یہ غامدی کی غلامی نہیں جو کبھی کبھی اپنی مخالفت بھی سن لے، یہ خدا کی بندگی ہے وہ کبھی اپنی نافرمانی پسند نہیں کرتا۔

(۷)......ساتویں مثال

اہل علم جانتے ہیں کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو کہے کہ اس نے زنا کیا، عورت انکار کرے، خاوند کے

پاس گواہ نہ ہوں، اگر مقدمہ اسلامی عدالت میں جائے تو وہ دونوں لعان کریں گے۔ قرآن کا یہ حکم ہے، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اِس پر عمل ہوا، اور اگر لعان کرنے والا کہے کہ یہ حمل مجھ سے نہیں تو لعان کے بعد جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب خاوند سے منقطع ہوگا۔ [بخاری:۸۰۱/۲، مسلم:۴۸۹/۱، مؤطا:۵۶۷/۲ نیز دیکھئے فقہ حنفی کی کتاب درمختار:۲۵۲/۱، فقہ مالکی کی کتاب ارشاد السالک:۱۷۴/۲ مع شرحہ اسہل المدارک:۱۷۵/۲، فقہ شافعی کی کتاب المنہاج للنووی مع مغنی المحتاج:۳۸۰/۳، فقہ حنبلی کی کتاب الروض المربع:۳۱۴/۲]

مگر محمد عمار صاحب پہلے لعان کے مسئلہ کو کمزور کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''قدیم دور میں بچے کے نسب کی تحقیق کا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں تھا چنانچہ لعان کے سوا اِس معاملے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا، اِس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں لعان کا یہ طریقہ اختیار کر کے بچے کے نسب کو عورت کے شوہر سے منقطع کرنا بجائے خود مقصود نہیں بلکہ ایک عملی مجبوری کا نتیجہ تھا۔''

پھر اس کے بعد کہتے ہیں:

''ہماری یہ رائے اگر درست ہے تو دورِ جدید میں طبی ذرائع کے ارتقا کے حوالے سے اس میں دو نتیجے مرتب ہوتے ہیں ایک یہ کہ اگر خاوند کے بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں بیوی لعان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے طبی ذرائع کی مدد سے الزام کی تحقیق کا مطالبہ کرے تو ایسا کرنا ضروری ہوگا۔''

پھر اپنی اس بات پر تفریع بٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

''دوسرے یہ کہ اگر طبی ذرائع سے بچے کے نسب کی تحقیق یقینی طور پر ممکن ہے......اگر ان کی رو سے بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت قرار پائے تو اسے قانونی لحاظ سے اس کا جائز بیٹا تسلیم کرنا ہر لحاظ سے شریعت کے مطابق ہوگا۔'' [حدود و تعزیرات:۱۷۹، ۱۸۰]

دیکھا آپ نے کہ ایک طرف لعان کو 'اُس وقت کی عملی مجبوری' بتایا۔ پھر جملہ شرطیہ کی شکل میں تفریعات بیان کر گئے تا کہ کل کو کہہ سکیں میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ایسا کرو میں نے تو کہا تھا کہ ''اگر میری رائے درست ہے'' مجھے اپنی رائے پر اصرار تو نہ تھا، اِس کو موصوف کی ہوشیاری چالاکی کہیں یا سادگی، بہرحال قرآن وحدیث کے قطعی مسئلے کو مشکوک تو کر رہے ہیں۔ اب ذیل میں اِس پر چند ملاحظات ملاحظہ ہوں۔

[۱]......اگر موصوف یوں کہتے کہ عدالت میں جانے کی بجائے عورت کے رشتہ دار طبی رپورٹیں کروا کر خاوند کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں تا کہ لعان تک نوبت نہ ہی ہو تو بھی کوئی بات ہوتی مگر جب مقدمہ اسلامی عدالت میں چلا گیا پھر تو لعان ہی ہوگا۔ یہ قرآن پاک کا حکم محکم ہے۔ اِس کا ناسخ کوئی نہیں۔ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ اِس لیے یہ بذات خود مقصود ہے۔

[۲]......قرآن کے محکم حکم کو 'عملی مجبوری کا نتیجہ' کہنے لگیں تو پورا دین ہی متروک ہو کر رہ جائے۔
مثلاً کوئی کہے کہ اُس زمانے کے اِسلام قبول کرنے والوں میں زمانہ جاہلیت کا اثر ہوتا تھا، اِس لیے اُن کو نماز کا حکم دیا گیا تا کہ برائی اور بے حیائی سے باز آ جائیں اور ہم جدی پشتی مسلمان ہونے کی وجہ سے پہلے سے برائی اور بے حیائی سے بچے ہوئے ہیں اِس لیے ہم نماز نہ پڑھیں تو شریعت کے عین مطابق ہے۔ بلکہ ہمارا نماز پڑھنا ترقی میں رکاوٹ ہے جتنا وقت مسلمان نماز کے لیے دیتے ہیں اتنا وقت ملک کے لیے دیتے تو ہمارا ملک آج کسی دوسرے ملک سے پیچھے نہ ہوتا۔

☆......یا کوئی ڈاکٹر کہے کہ: زکوۃ کا مقصد غریبوں کی خدمت ہے اور میں تو اپنے فن کے ساتھ ساری قوم کی خدمت کرتا ہوں مجھ سے زکوۃ کی ادائیگی کا مطالبہ روحِ شریعت کے خلاف ہے۔

☆......یا کوئی کہے: اُس زمانے میں نہ دستی گھڑیاں تھیں اور نہ موبائل جیسے وسائل تھے جن میں آدمی نماز کے وقت کے لیے الارم لگا لے، آج ہمارے پاس یہ سہولتیں موجود ہیں۔ دوسری طرف اذان سے کافروں کو تکلیف ہوتی ہے، اِس لیے آج کے دور میں اذان کی کوئی ضرورت نہیں، جسے نماز پڑھنی ہو خود الارم لگا کر بروقت مسجد میں جائے، بلند آواز سے پوری دنیا میں اذان بلند کرنا اختلاف کا باعث ہے اور ''**وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا**'' کے خلاف ہے۔

☆......یا کوئی کہے: اُس زمانے میں تو مسلمان تھوڑے تھے، اُن کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اِس لیے کافروں سے جدا کرنے کے لیے کلمہ پڑھنا اور اُس کو یاد کرنا ضروری تھا، اَب جبکہ ہر طرف اِسلام پھیل چکا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں اِسلام کو بھی مانا جاتا ہے، اِس لیے ہمارے شناختی کارڈ پر ''اِسلام'' لکھا ہونا ہی ہمارے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے، کلمہ پڑھنے کی کیا ضرورت؟ جو ہے بھی عربی میں اور عربی ہمیں نہیں آتی۔

☆......یا کوئی کہے: روزے کا مقصد تو تقویٰ ہے اور میں تو پہلے سے متقی ہوں میرا رمضان کے دنوں میں کھاتے پیتے رہنا شریعت کی نافرمانی نہیں۔

☆......یا کوئی زانیہ کہے کہ: نکاح کا مقصد تو یہ ہے کہ نسب مشتبہ نہ ہو چونکہ میرا ایک لڑکے سوا کسی سے تعلق نہیں لڑکے کا کسی اور سے ہو یا نہ ہو میرا تو صرف اُسی سے تعلق ہے، اِس لیے بچے کے نسب میں کوئی اشتباہ نہیں پھر بھی کوئی کسی کو یقین نہ آئے تو میں طبی رپورٹ دکھانے کے لیے تیار ہوں، اُس زمانے میں اِن طبی رپورٹوں کے نہ ہونے سے نکاح کی پابندی ایک مجبوری تھی، اِس زمانے میں نسب معلوم کرنے کا قطعی ذریعہ موجود ہے، اِس لیے آج نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔

محمد عمار خان صاحب بتائیے کہ! تمہارا فلسفہ اِن لوگوں کی تائید کرے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس

دلیل ہے؟ ہمیں کوئی ایسا ضابطہ بتائیں جس سے پتہ چلے کہ تمہارا لعان کو'اُس زمانے کی عملی مجبوری' کہنا تو درست ہو اور کلمہ طیبہ، اذان نماز، زکوۃ، روزے اور نکاح کو اُس زمانے کی عملی مجبوری کہنا درست نہ ہو۔

[۳]......پھر ایک اور اعتبار سے بھی لعان کو عملی مجبوری کہنا بڑی جرأت کی بات ہے کیونکہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''قدیم دور میں بچے کے نسب کی تحقیق کا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں تھا چنانچہ لعان کے سوا اس معاملے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا''، تمہیں شاید پتہ ہی نہیں کہ 'ممکن' کسے کہتے ہیں جو کچھ خدا کی قدرت میں ہے وہ سب ممکن ہے، زمین سے آسمان تک سارا خلا سونے سے بھر جائے یہ بھی ممکن ہے، اللہ کی قدرت میں ہے، آج سائنس نے جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ ہوگا سب اللہ کے حکم سے ہے اور سب ممکن ہی ہے۔ سائنسدانوں نے نسب کی تحقیق کے موجودہ ذرائع اللہ کے سوا کسی اور خدا کی توفیق سے تو دریافت نہیں کیے، جب یہ بات یقینی ہے کہ یہ کام اللہ ہی کی توفیق سے ہوا ہے تو یہ بات بھی یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے تو اُس زمانے کے لوگ اِس کو دریافت کر لیتے۔ خدا کے حکم کو مجبوری کہنے کا مطلب سوائے اِس کے کیا ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ تعالیٰ جاہل مانا جائے یا عاجز۔ جب اللہ پاک کے علم میں تھا کہ مستقبل میں ایسے ذرائع ہوں گے مگر اِس کے باوجود اُنھوں نے لعان کا حکم دیا ہے۔ اب بتا یہ وقتی مجبوری تھی یا یہ دائمی حکم ہے؟

[۴]......قدیم زمانے میں ایسے لوگ تھے جو تجربے اور قیافے سے نسب کی نشاندہی کرتے تھے اور لوگ اُن پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں پیشہ ور عورتوں کے بچہ پیدا ہوتا تو وہ اُن مردوں کو بھی بلاتی اور قیافہ شناس کو بھی۔ قیافہ کرنے والا علامات دیکھ کر جس سے نسب ملا دیتا وہ بچہ اُسی کا مانا جاتا۔

[ابوداود: ۱/۳۲۹]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ بہت خوش گھر تشریف لائے فرمایا کہ زید اور اسامہ اکٹھے لیٹے ہوئے تھے دونوں نے سر ڈھانکے ہوئے تھے، قدم باہر تھے، مجزز مدلجی نے دیکھ کر کہا: **إن هذه الأقدام بعضها من بعض** کہ یہ قدم ایک دوسرے سے ہیں۔

[بخاری: ۲/۱۰۰۱، مسلم ج: ۱/۴۷۱، ابوداؤد: ۱/۳۲۸]

اِس مقام پر بخاری کے حاشیہ میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کا رنگ کالا تھا حضرت زیدؓ کا سفید تو لوگ باتیں کیا کرتے تھے، مسلمانوں کو تو کوئی شبہ نہ تھا لیکن باتیں بنانے والے کافروں کے ہاں چونکہ مجزز کی بات حجت تھی، اِس لیے آنحضرت ﷺ کو اِس سے خوشی ہوئی۔ یہ بات ایک قیافہ شناس نے کہی اور درست کہی زبانِ نبوت سے اِس کی تائید ہوئی۔ ایسے تجربہ کار لوگوں کے ہونے کے باوجود لعان کا حکم اُترا، اور آنحضرت نے اُس کو نافذ کیا۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا ہوا، حضرت سعدؓ نے کہا کہ میرے بھائی عتبہ

نے کہا تھا کہ اُس کا زمعہ کی باندی سے تعلق تھا، اُس باندی کا لڑکا میرا بیٹا ہے، تیرا بھتیجا، اِس لیے اُس کو لے لینا مگر زمعہ کے بیٹے نے کہا یہ میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے، اُس کے فراش پر پیدا ہوا، اِس لیے میرا بھائی ہے، آنحضرت ﷺ نے باوجودیکہ اُس لڑکے کی شکل میں عتبہ سے مشابہت تھی، مگر کہا: **الولد للفراش وللعاھر الحجر** یعنی آپ نے اُس لڑکے کو زمعہ کا بیٹا قرار دیا مگر شکل سے یہ زمعہ کا بیٹا اور حضرت سودہؓ کا بھائی نہیں لگتا تھا، اُس کی شکل عتبہ سے ملتی تھی۔ اِس بنا پر آپ ﷺ نے زمعہ کی بیٹی ام المؤمنین حضرت سودہؓ سے کہا کہ اِس سے پردہ کرو۔ [بخاری: ۲/۱۰۰۱، ابوداود: ۱/۳۲۹]

قابلِ غور بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شکل کی مشابہت دیکھتے ہوئے حضرت سودہؓ کو پردے کا حکم تو دیا مگر **الولد للفراش** کے ضابطے کو نہ چھوڑا۔ آج کی ڈاکٹری یا سائنسی رپورٹیں کتنی ہی بہتر یا یقینی کیوں نہ ہوں یقیناً یہ آپ ﷺ کے یقین یا غالب گمان کے درجہ کو نہیں پاسکتیں۔ تو اِن رپورٹوں کی وجہ سے قرآن وحدیث کے قطعی احکام کو ترک کرنا کوئی مسلمان کیونکر سوچے؟

[۵]......تُو سائنسی یا طبی رپورٹوں کو کس دلیل سے قطعی کہتا ہے؟ اِس بارے میں تیرے پاس کوئی آیت ہے یا حدیث نبویؐ؟ زیادہ سے زیادہ تیرے پاس استقراء ہے اور وہ بھی تام نہیں، انتہائی ناقص ہے، کیونکہ دنیا کے ہر انسان پر تو نے اُسے نہیں آزمایا۔ ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ بیٹے کی رپورٹیں لی گئیں تو رپورٹوں کے مطابق وہ اُس ماں کا نہیں جبکہ یقینی طور پر وہ اُسی ماں کا ہے۔ پھر دوسری طرف اللہ کا حکم قطعی ہے۔ تیرے ظنی ذرائع کے ساتھ ہم اُس کو کیوں چھوڑ دیں؟ یہ ذرائع واقعہ میں بھی قطعی ہوتے تب بھی ہم حکم شرع کے پابند تھے اور یہ تو ہیں ہی سرے سے ظنی۔

[۶]......اگر خاوند اپنے الزام میں واقعی سچا ہو، مثلاً کوئی فوجی نکاح کے بعد بیوی کو گھر لے کر آیا، کہ اچانک اُسے فوج نے بلا لیا چھ ماہ کے بعد واپس آتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بیوی کو حمل ہے، تین ماہ کے بعد بیوی کے بچہ پیدا ہوتا ہے، خاوند کہتا ہے یہ میرا بیٹا نہیں، مگر عورت کے گھر والے ڈاکٹروں کو رشوت دے کر اپنے حق میں رپوٹیں بنوالیں تو کیا اُسے خاوند کا مان لیا جائے؟ ایسے معاملات میں ڈاکٹری رپورٹوں پر اعتماد کیسے کیا جائے؟ جبکہ بہت سے ڈاکٹروں کی حالت یہ ہے کہ دوا فروشوں سے مل جاتے ہیں۔ ایسے بھی ہوتا ہے کہ جو دوائی بیس روپے میں مل جاتی ہے وہی دوائی مریض کو دوسو روپے میں لینی پڑتی ہے۔ پھر بہت سے ڈاکٹر لیبارٹریوں سے حصہ لیتے ہیں۔ بسا اوقات مریضوں کو ایسے ٹیسٹ کا بھی کہہ دیتے ہیں جن کے بارے میں اُن کو پتہ ہوتا ہے کہ اِن کا بیماری سے کوئی تعلق نہیں، سننے میں آتا ہے کہ بعض ہسپتالوں میں ڈاکٹر جان بوجھ کر پیدا ہونے والے بچے ہی بدل دیتے ہیں، کسی کے بچہ پیدا ہوا وہ اپنے واقف کار کی بیوی کا بنا دیا اور واقف کار امیر کی بیوی کے ہاں جو بیٹی پیدا ہوئی وہ ناواقف غریب کی بیوی کے نام لگا دی۔ بھلا ایسے ڈاکٹروں کی

رپورٹوں کے بھروسے احکام خداوندی کے بالمقابل بچوں کے نسب متعین کیے جائیں؟

[۷]......نکاح کے ساتھ نہ صرف عورت شریکِ حیات بنتی ہے بلکہ بچے کا خاوند سے نسب بھی جڑتا ہے اور یہ اللہ کے حکم سے ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے ارشاد فرمایا: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ.** [مسلم: ۱/۳۹۷] **كلمة الله** سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یا تو اللہ کی طرف سے نکاح کی اجازت ہے، اور یا ایجاب وقبول ہے، اور یا کلمہ توحید: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّد رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.** [شرح مسلم: ۱/۳۹۷] بہرحال جب نکاح کے بعد نسب مانا جاتا ہے تو لعان کے بعد انقطاع کیوں نہ مانا جائے؟ پھر آنحضرت ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: **حسابكما على الله.** [مسلم: ۱/۴۹۰] ''تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے'' اور تُو کہتا ہے کہ لعان کرنے والوں کا معاملہ ڈاکٹروں کے حوالے۔

[۸]......نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا مرد سے صرف نسب ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ نفقہ اور وراثت کے احکام بھی آتے ہیں لعان کی وجہ سے جہاں بچے کا نسب مرد سے ختم ہوتا ہے، ایک دوسرے کی وراثت بھی نہیں ملتی۔

چنانچہ صحیح روایات میں ہے: **وكانت حاملا فكان ابنها يدعى الى امه ثم جرت السنة انه يرثها وترث منه ما فرض الله لها.** [مسلم: ۱/۴۸۹] **ففرق رسول الله ﷺ بينهما والحق الولد بامه.** [مسلم: ۱/۴۹۰]

پھر اس پر امت کا اجماع بھی ہے چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

إِذَا لَاعَنَهَا وَنَفَى عَنْ نَسَبِ الْحَمْلِ اِنْتَفَى عَنْهُ، وَأَنَّهُ يَثْبُتُ نَسَبه مِنْ الْأُمّ وَيَرِثهَا وَتَرِث ......وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى جَرَيَان التَّوَارُث بَيْنه وَبَيْن أُمّه وَبَيْنه وَبَيْن أَصْحَاب الْفُرُوض مِنْ جِهَة أُمّه وَهُمْ إِخْوَته وَأَخَوَاته مِنْ أُمّه وَجَدَّاته مِنْ أُمّه الخ. [شرح مسلم: ۱/۴۸۹]

بتاؤ کہ تمہاری ترتیب کے مطابق ڈاکٹری رپورٹوں سے صرف نسب ہی ثابت ہوگا یا بچہ لعان کرنے والے شوہر کا وارث بھی بنے گا؟ اور کس دلیل سے؟

(۸)......آٹھویں مثال

جناب محمد عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

''جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا نقطہ نظر قابل غور ہے ان کی رائے میں سورۂ توبہ (۹) کی آیت ۲۸ میں اہل کتاب کو محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کرنے کا حکم جو اہل ذمہ سے متعلق روایتی فقہی تصور کی اصل بنیاد ہے شریعت کا کوئی ابدی قانون نہیں بلکہ اِس کا تعلق رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ایک

مخصوص سنت سے ہے۔ اِس کی تفصیل وہ اس طرح کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے منصبِ رسالت پر فائز کوئی ہستی جب کسی قوم میں مبعوث کر دی جاتی ہے تو اِس فیصلے کے ساتھ کی جاتی ہے کہ رسول اور اس کے پیروکار اپنے مخالفوں پر بہرحال غالب آ کر رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو جزیرۂ عرب میں مبعوث کیا گیا تو اِس سنت الٰہی کے مطابق یہ دوٹوک اعلان کر دیا گیا کہ آپ پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے مغلوبیت اور محکومیت مقدر ہو چکی ہے۔ اِس وعدے کا عملی ظہور جزیرۂ عرب کی حد تک تو خود نبی ﷺ کی زندگی میں ہو گیا اور غلبۂ دین کی دو صورتیں واضح طور پر متعین کر دی گئیں مشرکین کیلئے تو لازم کر دیا گیا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ جبکہ اہل کتاب سے کہا گیا کہ وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی محکومی اور زیردستی قبول کر لیں۔ آپ کے بعد جزیرۂ عرب سے باہر روم، فارس اور مصر کی سلطنتوں تک اِس غلبے کی توسیع کی ذمہ داری صحابۂ کرام پر عائد کی گئی جنہیں اِس مقصد کے لیے 'شہادت علی الناس' کے منصب پر فائز کیا گیا تھا۔

غامدی صاحب کے نزدیک قانون رسالت کے تحت رسول اور اُس کے پیروکاروں کا یہ غلبہ پوری دنیا کی قوموں پر نہیں بلکہ اُن مخاطبوں پر ہوتا ہے جن پر اتمام حجت کیا جا چکا ہو۔ اِن اقوام پر مذکورہ سنت الٰہی کا نفاذ چونکہ خدا کے براہ راست اِذن کے تحت کیا جاتا ہے اور اس میں انسانوں بلکہ پیغمبروں تک کے اجتہادی فیصلے کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا اِس لیے اِسلامی تاریخ کے صدر اول میں نبی ﷺ اور آپ کے پیروکاروں نے جو جہاد کیا وہ غلبہ دین کے اِسی وعدے کی تکمیل کے لیے اور اُنہی اقوام تک محدود تھا جن کے خلاف اقدام کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی اور جن کی تعیین نبی ﷺ نے اُن کے سربراہوں کو خطوط لکھ کر کر دی تھی۔ جزیرۂ عرب اور روم و فارس کی سلطنتوں پر دین حق کا غلبہ قائم ہو جانے اور اُن علاقوں کے غیر مسلم باشندوں کو محکوم بنا لیے جانے کا یہ عمل تاریخ کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے تکوینی طور پر اختتام پذیر ہو چکا ہے، یہ شریعت کا کوئی ابدی اور آفاقی حکم نہیں تھا اور نہ اِس کا ہدف پوری دنیا کے کفار کو مسلمانوں کا محکوم بنانا تھا، اِس لیے اِس کے بعد قیامت تک کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی بنیاد انسانی اخلاقیات ہی کی بنیاد پر رکھی جائے گی۔

اگر غیر مسلموں کو محکوم بنا کر اُن پر جزیہ عائد کرنے کو شریعت کے عمومی قانون کے بجائے قانون رسالت پر مبنی قرار دیئے جانے کا مذکورہ نقطۂ نظر درست ہے تو اس سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ جو غیر مسلم قانون رسالت کے تحت جزیہ عائد کرنے کے مذکورہ حکم کے دائرۂ اطلاق سے باہر ہیں وہ انسانی اور قانونی حقوق کے لحاظ سے مسلمانوں کے مساوی تصور کیے جائیں گے۔'' [حدود و تعزیرات: ۱۲۰ تا ۱۲۲]

عمار صاحب کے کلام کے چند نکات:

☆......اسلامی قانون ''روایتی فقہی تصور'' ہے۔ (فقہ کے بارے میں موصوف کے الفاظ تو دیکھئے!)

☆......جزیہ شریعت کا ابدی قانون نہیں۔

☆......رسولوں کا غلبہ ساری دنیا کی قوموں پر نہیں ہوتا۔

☆......آپ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جہاد صرف ان تھے سے جن کو آپ نے خطوط لکھ دیئے تھے۔

☆......غیر مسلموں کو محکوم بنانے کا عمل ختم ہو چکا ہے۔

☆......اسلام کو غالب کرنا شریعت کا نہ دائمی حکم ہے نہ آفاقی۔

اَب اِس کے بارے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

[ا]...... غامدی نے جو قانون رسالت بتایا یہ اُس کا خود بنایا ہوا ہے، قرآن کریم میں یا اَحادیث میں نہ اِس کا کہیں ذکر ہے نہ اِس کی تائید۔ اِسلامی شریعت کو منسوخ کرنا، اور نبی علیہ السلام کی نبوت کو زمان ومکان سے محدود کر دینا علمی نکتہ نہیں نری جہالت ہے۔

علمی نکتہ وہ ہے جو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے سورۃ القصص آیت ۴۳ر کے تحت لکھا کہ:

''نزولِ توراۃ کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے، بجائے اہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کیا گیا کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کیے۔[تفسیر عثمانی: ۵۱۹، حاشیہ ۸]

سورۃ توبہ کی آیت ۱۳، ۱۴ کے تحت لکھتے ہیں:

''اس آیت میں مشروعیتِ جہاد کی اصلی حکمت پر متنبہ فرمایا ہے قرآن کریم میں اَقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر وشرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب وعداوت میں حد سے بڑھ جاتی ہے تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب اُن پر نازل کیا جاتا ہے جس سے اُن کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اَقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لیے عبرتناک تھیں، لیکن اِن صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت ورسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لیے توبہ اور رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا، مشروعیت جہاد کی اُصل غرض وغایت یہ ہے کہ مکذبین ومتعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص وفادار بندوں سے سزا دلوائے، سزا دہی کی اِس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے، وفادار بندوں کا نصرت وغلبہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے، اُن کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر وناتواں سمجھ کر ظلم وستم اور استہزاء وتمسخر کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے آج خدا کی تائید ورحمت سے انہی کے رحم وکرم یا عدل وانصاف پر چھوڑ دیئے گئے ہیں، کفر وباطل کی شوکت ونمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف ومظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے، جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے اُن کے قلوب تسکین پاتے تھے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی یہ طریقہ نسبۃً زیادہ نافع ہے، کیونکہ سزا پانے کے

بعد بھی رجوع وتوبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے چنانچہ حضور پر نور ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش ہو گیا'' [ایضاً: ۲۵۰، حاشیہ: ۳]

دیکھا! یہ ہے علمی نکتہ جو قرآن سے ماخوذ ہے۔ نہ وہ جو قرآن، حدیث اور امت مسلمہ کے اجماعی موقف کے معارض ہے۔

[۲]......سورۂ توبہ کی جزیہ والی آیت محکم ہے کسی مسلمان مفسر عالم فقیہ یا محدث نے اسے منسوخ نہیں کہا، چنانچہ جن کتابوں میں منسوخ آیات دی گئی ہیں ان میں اس آیت کو منسوخ آیتوں میں شمار نہیں کیا۔ [دیکھئے ابو محمد بن حزمؒ کی کتاب **بیان الناسخ والمنسوخ**: ۳۴۰ علی ھامش تنویر المقباس، شاہ ولی اللہؒ کی کتاب **الفوز الکبیر**: ۴۴] جس آیت کو ساری امت مسلمہ محکم مانتی ہے غامدی کو کیا حق ہے کہ اُس کو یہ منسوخ کہے؟ کیا یہ شخص امت مسلمہ کے مقابل کوئی اور امت بنانا چاہتا ہے؟ اِس کو آنحضرت ﷺ کی اُمت اچھی کیوں نہیں لگتی؟ جس کو اُمت مسلمہ اچھی لگتی اور اُس کی تمنا ہے کہ وہ آخرت میں بھی اِس امت میں اُٹھے وہ تو ایسے شر پسندوں کے سائے سے بھی بھاگے گا۔

[۳]...... یہ کہنا بھی باطل ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُنہی قوموں کے ساتھ جہاد کی اجازت تھی جن کے سربراہوں کو آپ نے خطوط لکھے اور یہ کام تکوینی طور پر اختتام پذیر ہو چکا ہے، یہ شریعت کا کوئی ابدی اور آفاقی حکم نہیں تھا۔ اِس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت نہ ہر زمانے کے لیے، نہ ہر جگہ کے لیے۔ امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، چین، روس تو اپنی جگہ پاک وہند میں بھی آنحضرت ﷺ کا کوئی خط نہیں پہنچا۔ تو تیرے کہنے کے مطابق پاک وہند کے باشندوں پر آپ ﷺ کو نبی ماننا ضروری نہ ہوا۔ اور ہو بھی تو وہ زمانہ ہی ختم ہو گیا۔ اب مسلم غیر مسلم جیسے انسان ہونے میں برابر ہیں ایسے ہی قانون کی رو سے دونوں کے حقوق بھی مساوی ہیں۔ لیکن موصوف نے یہ نہ بتایا کہ آخرت میں دونوں مساوی ہوں گے یا نہیں؟ اور یہ بھی نہ بتایا کہ موصوف اپنے لیے دین اسلام کو پسند کرتے ہیں یا نہیں اگر کرتے ہیں تو کیوں جبکہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے نہیں ہے۔

[۴]......علماء کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک حاکم ہونا چاہئے جو احکام شریعت کا نفاذ کرے، حدود کو قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے لشکروں کو تیار کرے [دیکھئے عقائد نسفیہ مع شرح التفتازانی: ۱۵۲، ۱۵۳ نیز ۲۲۲ طبع نور محمد کراچی، تفسیر ابن کثیر: ۱/۷۳ تحت قولہ **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** آیت ۳۰، درمختار: ۱/۵۴۸]

حاکم تب ہی ہو گا جب مسلمانوں کی الگ حکومت ہو گی۔ اور کوئی حکومت فوج کے بغیر ہو نہیں سکتی،

ہر ملک کی فوج ملک کے لیے لڑتی ہے اور یہی اُس کا کام ہے اور اِسی میں اُن کی عزت ہے۔ اِسلامی ملک کی فوج اِسلام کے لیے لڑے یہی جہاد ہے۔ جہاد کے منکر بتائیں کہ کافر اپنے ملک یا دین کے لیے لڑیں اُن پر اعتراض نہیں تو اِسلامی ملک کی فوج اسلام کے لیے لڑے تو ان پر اعتراض کس وجہ سے؟

[۵]......حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **ثَلاَثَةٌ مِنْ أَصْلِ الإِيمَانِ: الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَلاَ تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلاَ تُخْرِجْهُ مِنَ الإِسْلاَمِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِىَ اللَّهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِى الدَّجَّالَ لاَ يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلاَ عَدْلُ عَادِلٍ وَالإِيمَانُ بِالأَقْدَارِ.** [سنن ابی داوٗد:۱/۳۶۵،مشکوٰۃ:۱۸] حضرت عمران بن حصینؓ آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: **لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِى يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ.** [سنن ابی داود باب فی دوام الجہاد:۱،۳۵۸،مسند احمد:۴/۴۳۴] سنن سعید بن منصور:۲/۱۴۳تا۱۴۵ میں ایک باب کے تحت دس گیارہ روایات اِس موضوع کی دی گئی ہیں عنوان یوں ہے: **باب من قال الجهاد ماض.** امام ابن اثیرؒ نے فضل المؤمنین والمسلمین کے عنوان کے تحت اِس موضوع کی روایات بیان کی ہیں۔ دیکھئے جامع الاصول:۹/۲۰۳تا۲۰۶ حدیث نمبر ۷۱۲۷تا۷۱۲۹۔

دجال کے ساتھ جس جہاد کا ذکر ہے وہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کے ساتھ مل کر کریں گے اور دجال کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود قتل کریں گے۔ [بذل المجهود:۴/۴۰۳] دجال کے قتل ہونے کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے وہ اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے کہ ان کا مقابلہ نہ ہو سکے گا، اِس وجہ سے جہاد موقوف ہو جائے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یاجوج ماجوج ہلاک ہوں گے، اسلام پھیلے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا وقت پورا کر کے دنیا سے جائیں گے۔ پھر حالات بدلیں گے اور ایمان والے اٹھنے شروع ہو جائیں گے، پھر اسلامی حکومت نہ رہے گی تو جہاد کون کرے گا؟ [از مسلم:۲/ص۴۰۰تا۴۰۲] لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک تو جہاد ہے۔ تُو کون ہوتا ہے جو اُس سے پہلے جہاد کو ساقط کر دے۔ جیسے فوج کے بغیر حکومت کا تصور نہیں جہاد کے بغیر اِسلامی حکومت کا تصور نہیں۔ غامدی طرزِ حکومت کی بات میں نہیں کر رہا۔

[۶]...... جہاد کا حکم باقی ہے تو جزیہ کا حکم بھی باقی ہے چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ نے حملے سے پہلے کافروں کے آگے تین چیزوں کو پیش کیا۔ اسلام قبول کر و تو بہت ہی اچھا، اپنے دین پر رہنا ہے تو جزیہ دو، ورنہ جہاد۔ کافروں نے کہا ہم جزیہ نہیں دیتے، ہم لڑیں گے۔ تین دن تک اُن کو دعوت دی، پھر حملہ کیا۔ اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ [ترمذی:۱/۱۸۷]

[۷]...... عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث میں ہے: **وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ** ایک روایت میں ہے: **وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ.** [بخاری:۱/۲۹۶، باب نزول عیسی بن مریم:۴۹۰، مسلم:۱/۸۷]

اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ کفار کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب کفار پر جزیہ مقرر کریں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سب کفار اسلام قبول کریں گے، جزیہ کی وجہ ختم ہو جائے گی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ ختم کر دیں گے۔ مگر یہ بات تو یقینی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک جزیہ کا حکم باقی رہے گا اور اگر آپ جزیہ نہ لیں گے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی شریعت ہے کیونکہ آپ نے ان کی آمد پر جزیہ کے موقوف ہونے کی اطلاع فرمائی۔[از نووی شرح مسلم: ۸۷/۱]

[۸]...... جہاد کا مرزا قادیانی بھی منکر تھا اور غامدی بھی منکر ہے۔ فرق یہ ہے کہ مرزا کہتا تھا کہ وہ مسیح جس کے آنے پر جہاد موقوف ہوگا وہ میں ہوں۔ وہ کہتا ہے:

اَب چھوڑ دو اے دوستو! جہاد کا خیال
دین کے لیے حرام ہے اَب جنگ اور قتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کے تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

[ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن: ۷۷/۱۷]

اور غامدی نے کسی اور فلسفہ سے جہاد کو ختم کر دیا۔ مگر یہ بات دونوں میں مشترک ہے کہ امت مسلمہ اِن کو اچھی نہیں لگتی۔ قرآن وحدیث کی من مرضی کی تشریحات کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی امت سے نفرت کرتے ہیں اور اپنی امت بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

[۹]...... محمد عمار صاحب نے اپنے پیشواؤں میں علامہ انور شاہ صاحبؒ کا نام بھی لکھا ہے۔ (حدود وتعزیرات ص ۲۳) اِس کا علامہ انور شاہؒ سے کیا واسطہ؟ اُن کو مرزائیوں کے فتنے کا احساس ہوا تو تڑپ کے رہ گئے، خود بھی میدان میں آئے، اپنے دوستوں اور شاگردوں کو بھی نکالا، خود بھی کتابیں لکھیں دوسروں سے بھی لکھوائیں جیسے إكفار الملحدين اور عقيدة الاسلام فى حياة عيسىٰ عليه السلام ، التصريح بما تواتر فى نزول المسيح. اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتے تو ظاہری اسباب کے مطابق آج شاید کوئی مرزائیوں کو کافر کہنے والا نظر نہ آتا۔

محمد عمار صاحب کا حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں یا نہیں؟ مجھے اِس کے بارے میں پتہ نہیں۔ مگر غامدی صاحب کی تفسیر سے تو کچھ ایسے ہی سمجھ آتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ چنانچہ **إِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ**(آل عمران: ۵۵) کے تحت لکھتا ہے:

یعنی روح قبض کر کے تیرا جسم بھی اپنی طرف اٹھالوں گا۔[البیان: ۵۶۰/۱]

اسی قسم کا مضمون **بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ**.[النساء: ۱۵۸] کے تحت لکھا۔[دیکھئے البیان: ۵۷۵/۱]

مگر ہم کیا کریں ہمارے پاس تو یہی قرآن ہے، یہی احادیث ہیں، یہی امت مسلمہ ہے جسے کو ہم ہدایت پر سمجھتے ہیں، قرآن پاک میں جہاں بھی عیسیٰ بن مریم ہے وہاں ایک ہی ہستی مراد ہے، احادیث طیبہ میں بھی عیسیٰ بن مریم سے وہی ہستی مراد ہے، ساری امت مسلمہ یہی کہتی رہی اور یہی کہہ رہی ہے، اگر مرزائی نہ مانیں تو حجت نہیں۔ یہ تو اُن کے کفریات سے ہے۔ غامدیو! سنو! اگر تم کسی مجبوری سے غامدی کی بات سے انحراف نہیں کر سکتے تو ہماری مجبوری اِس سے کہیں بڑی ہے، ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ جب تمہیں یہ بات پہنچی تھی کہ میرے نبی ﷺ نے کہہ دیا کہ عیسیٰ بن مریم جو اللہ کے نبی ہیں وہ نازل ہوں گے [یاد رہے کہ مسلم: ۲/۴۰۱، ۴۰۲ میں نزول مسیح کی حدیث میں چار مرتبہ **نَبِيُّ اللّٰه** کے لفظ ہیں] تو تم نے کیوں نہ مانا؟ تو منکر کیا جواب دیں؟

ہاں شاید کوئی جرأت کر کے کہہ دے کہ چھوڑو آخرت کس نے دیکھی ہے؟ کیسی باتیں کرتے ہو؟ تو ہاں! واقعی میں نے آخرت نہیں دیکھی، لیکن یہ سوچتا ہوں کہ اگر بالفرض آخرت نہ ہو تو اس پر عقیدہ رکھنے سے دنیا میں کوئی نقصان نہیں جو رزق اللہ نے لکھا ہے وہ مل کر رہے گا، غامدی کے ماننے سے عمر ہزار سال نہ ہو جائے گی اور آخرت کو ماننے سے بندہ جلدی مر نہیں جاتا۔ حاصل یہ کہ آخرت کو ماننے سے دنیا کا نقصان نہیں، لیکن اگر بالفرض مرنے کے بعد آخرت ہوئی اور یقیناً ہے، اِس میں کوئی شک نہیں۔ تو بتائیں کہ جس کا آخرت پر ایمان نہیں اور اُس کی تیاری ہی نہیں تو وہاں پھر کیا بنے گا؟ ماننے والا تو کچھ نہ کچھ تیاری کرلے گا اور نہ سہی کم از قیامت کے دن ہونے والے واقعات کو تو مانتا ہے، نہ ماننے والا تو دائمی محرومی ہی اٹھائے گا۔

(جاری۔۔۔)　　☆☆☆☆

قرآن پاک، تفاسیر، احادیث، سیرت وفتاویٰ، فقہ، درسی وغیر درسی اسلامی کتب کا مرکز

مکتبہ اهل سنت

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

کی جملہ کتب سمیت سکول وکالج کی نئی و پرانی کتب دستیاب ہیں۔

ٹیکنیکل کی نئی و پرانی کتب کی خرید وفروخت کا مرکز

دوکان نمبر ۱۲، رسول پلازہ، امین پور بازار، فیصل آباد

0321-7837313_041-2612313

محمد یاسر الحسینی

قاسم العلوم والخیرات......اور عقیدہ ختم نبوت

امام الانبیاء فخر موجودات حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی نیا نبی و رسول نہیں آسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ بالالفاظ قرآنی:

ما کان محمد ابا احد من الرجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیینo

یہ امت مسلمہ کا بہت اہم عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ قرآن حکیم کی خصوصی قطعیہ، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، اِس عقیدے کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ تمام مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیاء، ائمہ مجتہدین، علماء و صلحا نے اس عقیدے کو اپنی اپنی تصانیف میں انتہائی شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث مبارکہ ہے: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا کہ: قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے اپنے بعد پیدا ہونے والے جھوٹے مدعیان نبوت کے متعلق اپنی امت کو آگاہ فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس دور میں اور جیسے حالات میں بھی، کسی نے عقیدہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تو مسلمانوں کی طرف سے انتہائی سخت ردِعمل سامنے آیا۔ مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مرزا قادیانی کے حوالے سے امتِ مسلمہ کا ردِعمل آج تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ تحفظ عقیدہ ختم نبوت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر مسلمانوں کے تمام مسالک و مکاتب فکر کا کردار موجود ہے۔ تمام مسالک و مکاتب فکر نے تصنیف و تالیف، فتاویٰ جات، صحافت و سیاست اور میدانِ مناظرہ میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

لیکن مسلمانوں کے عہد زوال کے دیگر المیات میں سے ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ایک مسلک و مکتبہ فکر کے لوگوں نے کسی اہم کاز کے لیے دوسرے مسلک و مکتبہ فکر کے لوگوں کی کاوشوں کو یا تو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا یا پھر ان کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کی گئی۔ اِس کا اصل محرک وہ مسلکی تعصب ہوتا ہے جو لوگوں

پر اپنی مسلکی برتری جتلانے کے لیے اپنایا جاتا ہے یا پھر بعض لوگوں میں پایا جانے والا احساس کمتری ہوتا ہے جو ان لوگوں کو ایسے کاموں پر اکساتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ علماء دیو بند کے ناقدین کے ساتھ بھی درپیش ہے۔ علماء دیو بند کا تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے کیا کردار ہے۔ اس پر اگر لکھا جائے تو کئی جلدوں میں ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ناقدین اپنی تنقید کا آغاز قاسم العلوم والخیرات حضرت الامام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو منکر ختم نبوت قرار دے کر کرتے ہیں۔ پھر سلسلہ دیگر اکابر علماء دیو بند تک آتا ہے۔ بالآخر تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے لیے سب سے پہلے بریلوی علماء سامنے آئے اور علماء دیو بند بعد میں ان کی دیکھا دیکھی میدان میں آ گئے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ تحفظ ختم نبوت اور ردِ قادیانیت کے سلسلے میں دیو بندی علماء کا کردار بھی ویسی ہی اہمیت کا حامل ہے جیسا بریلوی علماء کا۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ مسلمانوں کے دورِ زوال کے المیات میں سے ایک المیہ ہے۔ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہ کوئی مثبت اور تعمیری کام نہیں کر رہے بلکہ منفی اور تخریبی نوعیت کا کام کر رہے ہیں۔ وہ لوگ یا تو کسی احساس کمتری میں مبتلا ہیں یا معاشرے میں اپنی مسلکی برتری جتلانا چاہتے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل مولانا عبد الجبار سلفی صاحب کی ایک کتاب ''دفاعِ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' شائع ہوئی تھی۔ جس میں آپ نے دیو بندی، بریلوی اور اہلحدیث مکتبہ فکر کے علماء سے التماس کی تھی کہ وہ تخریبی کام چھوڑ تعمیری و مثبت کاموں پر توجہ دیں اور اپنے اپنے مکتبہ فکر کی فکری و نظریاتی تطہیر کریں۔ یعنی اگر آپ کی صفوں میں کوئی ایسے لوگ موجود ہیں جو حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کے متعلق کسی فکری و نظری لغزش کا شکار رہیں، یا پھر اسلام کے کسی اجماعی عقیدے کا انکار کر بیٹھے ہیں تو ایسے لوگوں کی اصلاح اُس مکتبہ فکر کے علماء خود کریں۔ لیکن یہ کام اُس وقت ہو گا جب ہم منفی کاموں سے اجتناب کریں گے اور اپنی توجہ مثبت کاموں کی طرف مرکوز رکھیں گے۔ جیسا کہ راقم پہلے عرض کر چکا ہے کہ علماء دیو بند کی تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے خدمات ایک مستقل عنوان ہے۔ جس پر خامہ فرسائی ایک الگ مضمون کیا جائے گا انشاء اللہ۔ ابھی سرِ دست حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے چند معروضات اپنے قارئین کیلئے پیش خدمت ہیں۔

ماہنامہ الحقیقہ، جو کہ شکر گڑھ سے شائع ہوتا ہے جس کے منتظمین کا تعلق بریلوی مکتبہ فکر سے ہے۔ جنہوں نے ماہنامہ الحقیقہ کا ایک ضخیم تحفظ ختم نبوت نمبر شائع کیا۔ ادارہ الحقیقہ کی یہ کاوش قابلِ فخر تھی، اگر اِس کا رخ صرف قادیانیت کی طرف ہوتا لیکن اس میں ردِ قادیانیت پر اتنا مواد نہیں جتنا قاسم العلوم والخیرات حضرت الامام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان اور تکفیر پر مشتمل مواد موجود ہے۔

ماہنامہ الحقیقہ کے مدیر اعلیٰ جناب صابر حسین شاہ نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ ''اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا محدث بریلوی وہ پہلے محافظ عقیدہ ختم نبوت ہیں جنہوں نے ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء میں حرمین شریفین کے تقریباً ۳۵ر مشاہیر علماء کرام سے نہ صرف مرزا قادیانی بلکہ مولوی قاسم نانوتوی اوران کے دیگر ہم عقیدہ علماء کے بارگاہ رسالت مآب میں گستاخانہ عبارات کے خلاف شخصی طور پر اسلام سے اخراج اور کافر قرار دیئے جانے کا واضح فتویٰ حاصل کیا جسے عرب وعجم مین پذیرائی حاصل ہوئی''۔

[ماہنامہ الحقیقہ ،تحفظ ختم نبوت نمبر:۳۹/۱]

اِس کے بعد آپ نے جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری مرحوم کی کتاب ''تحذیر الناس میری نظر میں'' سے مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم کے لیے چند تعریفی کلمات نقل کیے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے حضرت نانوتویؒ کے لیے جو کفر کا فتویٰ حاصل کیا، اُس کو بقول صابر حسین شاہ صاحب عرب وعجم میں جو پذیرائی حاصل ہوئی، اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیر کرم شاہ الازہری صاحب اپنی اسی کتاب میں جس کا حوالہ صابر حسین شاہ صاحب نے دیا، لکھتے ہیں کہ:

''مولانا نانوتوی ختم نبوت زمانی کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے اور اِس کے دلائل کو قطعی اور متواتر سمجھتے تھے''۔

نیز لکھتے ہیں کہ:

''یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے''۔

[تحذیر الناس میری نظر میں ص 58، ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور]

اس لیے صابر حسین شاہ صاحب کے دعویٰ میں کوئی وزن نہیں کیونکہ جس فتوے کی بابت عرب وعجم میں پذیرائی کی بات ہوئی ہے، اُس کو تو خود اُن کے اپنے حلقہ فکر کے ایک بہت بڑے عالم نے جھٹلا دیا ہے، جنہیں حضور ضیاء الامت کے خطاب سے بھی نوازا گیا ہے۔

دراصل حضرت قاسم العلوم والخیراتؒ کے ناقدین، جو اُن کی تکفیر انتہائی بے رحمانہ انداز میں کرتے ہیں، کا دعویٰ ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے ختمِ نبوت زمانی کا انکار کیا تھا، اِس وجہ سے وہ کافر ہیں۔ چند ناقدین قاسم العلوم والخیراتؒ کے فتاویٰ درج ذیل ہیں۔

(i)......مولانا بدرالدین احمد قادری مرحوم کے مضمون کا عنوان ہے ''دیوبندیت کے مہتمم اول کا ختم نبوت سے انکار'' [ماہنامہ الحقیقہ ،تحفظ ختم نبوت نمبر:۳۶۰/۱]

(ii)......مولانا محمد مدنی اشرفی جیلانی مرحوم لکھتے ہیں کہ: ''مولوی قاسم نانوتوی ملحد وزندیق ہے''۔ [ایضاً:۳۹۱/۱]

الحقیقہ کا تحفظ ختم نبوت نمبر صفحہ نمبر ۳۶۰ سے لے کر صفحہ نمبر ۶۱۷ تک، حضرت نانوتویؒ کی تکفیر سے بھرا ہوا ہے۔ جس کی بنیاد میں یہ دعویٰ ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت زمانی کا انکار کیا۔ لیکن اِس پر کوئی ٹھوس دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اِسی لیے پیر کرم شاہ الازہری صاحب جیسے صاحبِ بصیرت ''تحذیر الناس'' کا مطالعہ کرنے کے بعد اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مولانا قاسم نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے قائل تھے اور اس کو ضروریات دین میں سے سمجھتے تھے۔ دراصل ''تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس'' حضرت قاسم العلوم و الخیراتؒ کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جس میں آپ نے عقیدہ ختم نبوت کو انتہائی شرح وبسط سے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ لکھتے ہیں کہ:

''ہم نے عربی، فارسی اور اردو میں بہت سی کتابیں مسئلہ ختم نبوت پر پڑھی ہیں، لیکن بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس نرالے، انوکھے اور ٹھوس انداز میں جو خامہ فرسائی حضرت نانوتویؒ نے اِس مسئلہ پر کی ہے ہم نے اور کہیں نہیں پڑھی''۔ [بانی دار العلوم دیوبند: ۶۱، از مولانا سرفراز خان صفدرؒ]

قارئین تعصب، بغض اور عناد کی انتہاء ملاحظہ فرمائیں کہ مولانا قاسم نانوتویؒ کا ایک ناقد لکھتا ہے کہ:

''مولوی قاسم کا عالم ومحدث ہونا، قاسم العلوم والخیرات کہلانا، تبلیغ اسلام میں کوشش کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی نعت شریف میں لمبے چوڑے قصائد لکھنا ان کو کافر ومرتد ہونے سے ہرگز نہیں بچا سکتا''۔
[الحقیقہ، تحفظ ختم نبوت نمبر: ۳۶۱/۱]

آخر تعصّبات کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ حضرت نانوتویؒ سے اتنا تعصب کہ آپ کی صفات کا اقرار کرنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہ تمام خوبیاں قاسم نانوتوی کو کافر ومرتد ہونے سے نہیں بچاسکتیں۔ کیونکہ ناقدین کے خیال میں حضرت نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں۔ حالانکہ ناقدین کو یہ بات دیوبندی ہی نہیں، پیر کرم شاہ الازہری صاحب بھی سمجھا چکے ہیں کہ مولانا قاسم نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے قائل ہیں منکر نہیں۔

آج کہا جاتا ہے کہ دیوبندی مولانا قاسم نانوتویؒ کی عبارات کی تاویلات در تاویلات میں مصروف ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ دیوبندی تاویلات میں نہیں حضرت نانوتویؒ کی عبارات لوگوں کو سمجھانے میں مصروف ہیں جو عقیدہ ختم نبوت کا ہر اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ تحذیر الناس قادیانی شائع کرا کر مفت تقسیم کرتے ہیں یا ''تحذیر الناس'' کی بعض عبارات سے قادیانی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جیسا کہ پیر کرم شاہ صاحب نے بھی لکھا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اگر قادیانی ''تحذیر الناس'' شائع کروا کر تقسیم کرتے ہیں یا اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے امام ترمذیؒ کی ''کتاب المصاحف'' چرچ آف انگلینڈ نے شائع کرائی۔ جس کا مقصد عیسائی

پادریوں کو یہ کتاب پڑھا کر قرآن پر اعتراضات کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یا کمیونسٹ مذہب بیزار ریاست روس کو شکست دینے کے لیے امریکہ کی طرف سے قرآن کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرا کر دنیا میں مفت تقسیم کرانا۔ ظاہر بات ہے کہ نہ قرآن میں امریکیوں کے مفاد کی کوئی چیز ہے اور نہ ''کتاب المصاحف'' میں پادریوں کے کام کی کوئی چیز ہے۔ ہاں! انہوں نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے کتابوں کی عبارات یا قرآنی آیات سے اپنا مَن چاہا مفہوم کشید کیا۔ لیکن قرآن کو نازل کرنے والا اللہ اور ''کتاب المصاحف'' کے مصنف امام ترمذی امریکیوں اور عیسائی پادریاں کی حرکات سے بری الذمہ ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر قادیانیوں نے تحذیر الناس شائع کروائی ہے تو اس کے بھی وہ خود ذمہ دار ہیں حضرت نانوتویؒ ذمہ دار نہیں۔

معزز قارئین! آج تک قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علیہ الرحمۃ پر لکھا جانے والا تنقیدی لٹریچر اگر ہم پڑھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ناقدین حضرت نانوتویؒ کے متعلق سب سے پہلے ایک ذہن بناتے ہیں اور پھر آپؒ کی عبارات میں قطع و برید کر کے اپنا مَن چاہا مفہوم کشید کرتے ہیں اور کسی ایک بھی ناقد کے دلائل میں وزن نہیں ہوتا۔ مضمون کی طوالت کے اندیشے کے پیش نظر صرف ایک ناقد کے دلائل کا تنقیدی جائزہ لوں گا۔ مولانا بدرالدین احمد قادری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولانا قاسم نانوتوی لکھتے ہیں کہ:'' بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' [تحذیر الناس]''

آگے قادری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اگر مولانا نانوتویؒ کے نزدیک خاتمیت محمدی کا یہ معنیٰ ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ حضور کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا تو کس طرح وہ جائز مانتے کہ حضور کے بعد نیا نبی پیدا ہونے سے خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، ظاہر بات ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور کے بعد دوسرا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو حضور آخر الانبیاء کیسے قرار پائیں گے''۔ [ماہنامہ الحقیقہ، تحفظ ختم نبوت نمبر: ۳۶۱/۱/۱]

پہلی بات لائق توجہ یہ ہے کہ مولانا بدرالدین قادری نے پوری عبارت نقل کر دیتے تو پھر اصل بات ہی واضح ہو جاتی۔ حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں کہ:

''ہاں اگر خاتمیت بمعنیٰ اوصافِ ذاتی بوصفِ نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہو گی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی

تجویز کیا جائے۔[تحذیرالناس:۲۴،از حضرت قاسم نانوتویؒ]

اگر درج بالا عبارت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ناقدین کے دلائل تارِ عنکبوت معلوم ہوتے ہیں کہ کسی طرح ناقدین خود ہی کسی شخص پر انکارِ ختم نبوت کا دعویٰ دائر کرتے ہیں اور اس پر خود ہی دلائل بھی سناتے ہیں اور بالآخر خود ہی قاضی بن کر فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ قاسم نانوتویؒ ختم نبوت کا منکر ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے عقیدہ ختمِ نبوت کے حملہ آوروں کے لیے تمام چور دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آپ بہت وضاحت سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآل وسلم کے بعد اور نبی آ جائے تو بھی خاتمیت محمدی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ ہی اتنا بلند ہے کہ کوئی نبی و رسول اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی و رسول ہیں۔ آپ قیامت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے آسمان سے نازل ہوں گے۔ اب کوئی کم فہم کہہ دے کہ عیسیٰؑ اللہ کے نبی و رسول تھے۔ آپ آسمان سے نازل ہو گئے ہیں تو ختم نبوت پر اثر پڑ گیا ہے تو اس کی بات ناقابلِ قبول ہو گی۔ کیونکہ آپ اس مقام رفیع پر فائز ہیں کہ کوئی نبی و رسول آپ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام رفیع ہے کہ آپ کو اللہ نے خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتویؒ نے شروع میں ''بالفرض'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا واضح مفہوم ہے کہ یہ بات فرض کر کے کہی جا رہی ہے اس میں حقیقت کوئی نہیں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کا دروازہ بند ہے، حضرت نانوتویؒ نے یہ حقیقت تسلیم کی ہے اور یہ بات کہی ہے کہ بالفرض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آ جائے تو خاتمیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جبکہ مولانا بدرالدین قادری صاحب نے یہ خود ساختہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ، ''اگر مولانا نانوتویؒ کے نزدیک ختم نبوت کا یہ مفہوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ کس طرح جائز مانتے کہ حضور کے بعد نیا نبی پیدا ہونے سے خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''۔ اب کوئی مولانا ہی سے پوچھتا کہ آپ کو ''بالفرض'' کا مطلب نہیں معلوم۔ فرض کی گئی بات میں اور حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور یہ بھی مولانا بدرالدین صاحب کی نرالی منطق ہے کہ ''اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور کے بعد دوسرا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو حضور آخرالانبیاء کیسے قرار پائیں گے۔'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخرالانبیاء اس لئے قرار پائیں گے کہ آپ کو اللہ نے آخری نبی بنا کر بھیجا ہے اور یہ حقیقت قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ جبکہ حضرت نانوتویؒ نے جو بات ''بالفرض'' لفظ کے ساتھ کہی ہے وہ صرف منکرین ختم نبوت کو مسئلہ سمجھانے کے لیے کی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 16 پر)

مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت

قسط:۴

زبیر علی زئی:

۵: ''کہ خود غیر مقلدین کا وحدۃ الوجودی ہونا ثابت کیا جائے[۲۸۲]۔''

عرض ہے کہ اگر ''غیر مقلدین'' سے آپ لوگوں کی مراد[۲۸۳] اہل حدیث اہل سنت ہیں تو آپ اپنی کوششوں میں کبھی کامیاب نہیں[۲۸۴] ہوں گے۔ ان شاء اللہ

رب نواز دیوبندی نے اپنی سعی نا[۲۸۵] مسعود میں جو پانچ حوالے پیش کئے ہیں، اُن کی تحقیق اور مدلل رد درج ذیل ہے:

الجواب:

۲۸۲

غیر مقلدین کے وحدۃ الوجودی ہونے کو بندہ نے اپنے رسالہ ''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ آئندہ بہت سے اضافہ جات کے ساتھ اسے شائع کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اس رسالہ میں محمد حنیف ندوی صاحب غیر مقلد کا حوالہ نہیں آ سکا اسے یہاں درج کرتے ہیں۔ ندوی صاحب وحدۃ الوجود کے قائلین علماء کے موقف کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' یہ حضرات جب وحدۃ الوجود کا نعرہ مستانہ بلند کرتے ہیں تو ان کا مطلب کسی فلسفہ کا اثبات نہیں ہوتا۔ ان کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے اور کوئی شے حسن و جمال کے وصف سے متصف نہیں ہے اور یہ کہ ان کی محبت اور ان کا اللہ تعالی سے تعلق خاطر تصور غیر کو کسی عنوان سے برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں۔ یہ دیانت داری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ اس علم رنگ و نکہت اور معشوق ہزار شیوہ میں حسن اور نکھار و دلآویزی اور رَنگا رنگی صبح ازل ہی کی تجلیات کا پَرتو اور انعکاس ہے۔ ورنہ ان کی اپنی طبعیت، اپنا مزاج اور فطرت ہرگز اس لائق نہیں کہ محبوبی کے ان نمونوں کو سطح وجود پر نمایاں کر سکے۔ ان کے ہاں شخصیت کا تصور یکسر مفقود ہے۔ انا کی نمود اور پندار قطعی غائب ہے۔ ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ جو شخص جس

حد تک اپنی فانی ومحدود ''انا'' کو اس کی سرمدی اور غیر محدود ''انا'' میں گم کر دینے کی کوشش کرے گا، اُسی حد تک وہ زندگی، ارتقاء اور روشنی سے بہرہ مندی حاصل کر سکے گا۔ اس سلسلے میں ان لوگوں کی عبارتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے جس میں حلول واتحاد کی بو آتی ہے۔ کیونکہ یہ خود بھی ان سطحیات کو درخور اعتناء نہیں جانتے۔ ان سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظ و پیرایۂ بیان کی مجبوریوں کے باوجود اپنی واردات محبت کی تشریح کریں اور یہ بتائیں کہ عاشق ومحبت کی وادی پُر شوق میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ جہاں سالک اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اور اس کی وسیع وبیکراں ذات میں جذب ہو جاتا ہے۔ ان اصحاب حال حضرات کی عبارتوں میں منطق ونحو کے تقاضوں کے مطابق معانی ومطالب ڈھونڈنا عبث ہے۔ یہاں تو ذوق ووِجدان کی رہنمائی ہی میں آگے بڑھنا مفید ہو سکے گا۔ ولیم جیمز (william james) نے اس ضمن میں کتنی اچھی بات کہی ہے: اگر کوئی شخص ایسے کان نہیں رکھتا جو نغمہ وآہنگ کے لطائف سے آشنا ہوں اور ایسا تاثر پذیر دل نہیں رکھتا جس نے احوال واردات کی لذتوں کو کبھی نہ آزمایا، یا چکھا ہو، تو ایسی صورت میں یہ توقع رکھنا کہ یہ شخص موسیقی کی سحر آفرینیوں کو سمجھ سکے گا، یا قلب وذہن کی سرمستیوں میں علم وعرفان کی جھلک پا سکے گا، قطعی فضول ہے۔'' [عقلیاتِ ابن تیمیہ: ۳۰۶، ۳۰۷ بحوالہ المهند الديوبندی: ۶۱]

۲۸۳

غیر مقلدین سے مراد وہ طبقہ ہے جسے محمد حسین بٹالوی نے انگریز سے اہل حدیث نام الاٹ کرا کے دیا ہے جس طبقہ کی علمی سند میاں نذیر حسین دہلوی تک پہنچتی ہے۔ ان لوگوں کا اپنے آپ کو ''اہل سنت'' کہنا محل نظر ہے۔ ان کی کتابوں کے کثیر حوالہ جات ہم پاس رکھتے ہیں جن میں انہوں نے اپنے مسلک میں بہت زیادہ بدعات کا اعتراف کیا ہے اور اپنے علماء پر بدعتی ہونے کے فتوے لگائے ہیں۔ اہل حدیث ہونے کا دعوی کرنے والوں کا حق بنتا ہے وہ جب چاہیں ہم سے ثبوت طلب کریں۔ ہم انہیں ایک مستقل کتاب کی شکل میں ثبوت پیش کریں گے، ان شاء اللہ۔

ہمارے اُس رسالہ میں اصل مقصود تو غیر مقلدین کا وحدۃ الوجودی ثابت کرنا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان علماء کی عبارات بھی درج کر دی ہیں جنھیں یہ لوگ اپنا ہم مسلک بزرگ سمجھتے ہیں۔

۲۸٤

عام قارئین کے ساتھ غیر مقلد علماء وعوام کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے رسالہ ''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' کو ضرور پڑھیں۔ اس کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہیں الحمدللہ۔

اُس رسالے میں ہم نے غیر مقلدین کی زبانی مسئلہ وحدۃ الوجود کا اثبات، اس مسئلہ کے ساتھ

شغف رکھنے والے لوگوں سے ان کی محبت، بلکہ وحدۃ الوجود والوں کو اہلحدیث یا غیر مقلد کہنا بھی نقل کیا حتی کہ وحدۃ الوجود کے بڑے داعی شیخ ابن عربی[توضیح الاحکام ۱/۶۳] کو بھی ان لوگوں نے اہل حدیث اور تارکِ تقلید قرار دیا۔

ہمارا یہ رسالہ مجلّہ صفدر گجرات میں آٹھ قسطوں پر مشتمل شائع ہوا، اس کی آخری قسط شمارہ: ۱۵ مئی ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت کے بعد زبیر علی زئی صاحب ایک سال کا طویل عرصہ زندہ رہے مگر نہ خود جواب لکھ سکے اور نہ ہی کسی سے لکھوا کر شائع کرا سکے۔ اب بھی غیر مقلدین میں ہمت ہے تو اس کا جواب لکھ کر شائع کریں۔ علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ جواب وہی معتبر ہے جس میں پورے مضمون کو نقل کر کے ہر مطلوبہ بات کا جواب دیا جائے۔ [توضیح الاحکام: ۱/۳۴۳]

اس لئے اگر کوئی غیر مقلد علی زئی صاحب کی شرط کے مطابق جواب دے گا تو اُس کی اُن سے وفاداری بھی ثابت ہوگی۔ ہے کوئی غیر مقلد جوان کی شرط کی لاج رکھتے ہوئے ہمارے رسالہ ''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' کو متن میں رکھ کر ہر مطلوبہ بات کا جواب دے، دیدہ باید۔

۲۸۵

ہماری سعی الحمد للہ مسعود رہی ہے جسے یقین نہ آئے وہ ہمارے رسالہ ''مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت'' کا مطالعہ کرے۔ نیز ان پانچ حوالوں کا علی زئی صاحب نے بزعمِ خود جو جواب دیا ہے اس کی حقیقت آئندہ آرہی ہے ان شاء اللہ۔ یہ بھی بتایا جائے کہ پانچ حوالوں پر تو کچھ لے دے کی ہے باقی رسالہ کا جواب کون دے گا؟ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

سیرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مرادِ رسول، خلیفہ راشد ثانی، امیر المؤمنین، تاجدارِ عدل وانصاف، شہیدِ محراب کی

حیات وخدمات پر مستند مجموعہ......صفحات: ۵۹۲

مؤلف: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی

پہلا باب: ابتدائی زندگی کے خدوخال، قبول اسلام تا ہجرت کے احوال......دوسرا باب: مدینۃ الرسول میں
تیسرا باب: مسند خلافت پر......چوتھا باب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے خصوصی مراسم
پانچواں باب: سانحہ شہادت......چھٹا باب: عمال اور احتسابی نظام......ساتواں باب: کارنامے اور اصلاحات
آٹھواں باب: عجائبات ونوادرات......نواں باب: چند فیصلے، اصلاحِ معاشرہ......دسواں باب: متفرقات

رابطہ: دارالسعد: 0300-6379821_0307-2603021

مجلّہ صفدر ’’فتنہ غامدی نمبر‘‘......مبصرین وقارئین کی نظر میں

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ مدظلہم [رئیس دارالافتاء: جامعہ خیرالمدارس، ملتان] کی رائے گرامی

واجب الاحترام جناب احسن خدامی صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی!

مجلّہ ’’صفدر‘‘ کے ’’فتنہ غامدی نمبر‘‘ کی پہلی جلد چند دن پہلے ایک الماری میں دیکھی، اس میں جوابی لفافہ کے ساتھ ایک محبت نامہ بھی موجود تھا۔ ڈاک مجھ تک نہیں پہنچی تھی، اِس لیے جواب میں تاخیر ہوگئی، اُمید ہے محسوس نہ فرمائیں گے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

فتنوں کا تعاقب بالخصوص ایسا فتنہ جس کا جادو میڈیا کے ذریعے جدید تعلیم یافتہ اور عام اُردو خوان طبقے پر چل چکا ہو بلکہ بعض علمی، دینی گھرانوں کے چشم وچراغ اس کا شکار ہو چکے ہوں، ایک بہت بڑا کارنامہ اور عظیم دینی خدمت ہے؛ کیونکہ شریعت مطہرہ کا قانون ہے کہ ’دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے۔‘ گویا ’’صفدر‘‘ کے ذمہ داران نے اِس غامدی نمبر کے ذریعہ امت مسلمہ کو ایک بڑی گمراہی سے بچانے کی فکر کی ہے۔

اِس ضابطہ کی تائید حضور علیہ السلام کے اُس فرمان سے بھی ہوتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی مفلس کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ حقیقی مفلس وہ ہے جس کی تمام عبادات: نمازیں، روزے، حج، عمرے، زکوٰۃ وصدقات، قربانی، حقوق العباد کی پاسداری نہ کرنے کی نذر ہوگئیں اور وہ خالی ہاتھ رہ گیا بلکہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اصحاب الحقوق کے گناہوں کا بھی مستحق ٹھہر کر رسیدِ جہنم ہوگیا۔

”عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: إن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: أتدرون من المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لادرهم له ولا متاع، فقال: إن المفلس من أمتی من يأتی يوم القيامة بصلوٰة وصيام وزكوٰة ويأتی قد شتم هٰذا وقذف هٰذا وأكل مال هٰذا وسفك دم هٰذا وضرب هٰذا فيعطی هٰذا من حسناته وهٰذا من حسناته فإن فينت حسناته قبل أن يقضی ما عليه أخذ ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح فی النار. رواه مسلم.“

[مشکوٰۃ شریف: ۴۴۹/۲]

غامدی کی کفریات اور باطل مزعومات کے تعاقب کو اکابر سلاطینِ علم کی تحریرات اور معتمد اربابِ

فتویٰ کے فتاویٰ جات سے مزین کرنا انتہائی مستحسن اقدام ہے، اللہ پاک اِسے نافع بنائیں، غامدی اور اس کے متبعین کے لیے باعث ہدایت یا اس کے نظریات سے تحفظ کے لیے امت کے حق میں سدِ سکندری بنائے۔

آمين يا رب العالمين بجاه وجهه الكريم وبحق محمد صلى الله عليه وسلم عليك، آمين برحمتك يا أرحم الراحمين.

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ......خادم الافتاء: جامعہ خیر المدارس، ملتان......۱۴۳۷/۳/۲۴ھ

☆......☆......☆......☆

حضرت مولانا عبید اللہ خالد مدظلہم [فرزند ارجمند حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم] کی رائے گرامی

محترمی جناب حمزہ احسانی صاحب مدیر مجلّہ صفدر لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجلّہ ''صفدر'' کے خصوصی شمارے ''فتنہ غامدی نمبر'' کی جلد اول نظر نواز ہوئی، آپ کے کام، نیک جذبہ وشوق اور محنت ولگن کو دیکھ کر خوشی ہوئی، اِسلام کے مسلمہ عقائد کو مٹانے اور مسخ کرنے کے لیے مختلف اَدوار میں مختلف فتنے نمودار ہوتے رہے اور علماء ان کی سرکوبی کرتے رہے، چنانچہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر آج تک ان فتنوں کی ایک طویل فہرست جس طرح تاریخ کا ایک حصہ ہے اِسی طرح ان کی تردید وسرکوبی کے لیے اہل علم کی کاوشیں بھی تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ جاوید احمد غامدی کے عقائد ونظریات کی تردید وسرکوبی اور امت مسلمہ کے سامنے اِس فتنے کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آپ کا یہ ''خصوصی شمارہ'' ایک مبارک کاوش ہے۔ اِس فتنے کی دین دار لوگوں میں ترویج واشاعت کے لیے جو لوگ مختلف انداز واسلوب میں کوششیں کر رہے ہیں آپ کی اِس کاوش سے اُن کی یہ کوششیں بھی نامراد ہو کر ہباءً منثورا ہو جائیں گی۔ اِن شاء اللہ!

اِس فتنے کا باعث مغربیت سے مرعوبیت ہے اور اِسلام کے خلاف مغرب کی طرف سے اٹھنے والی ہر آواز کو اِسلامی معاشرے میں مقبول کرانے کے لیے اسے اسلامیت کے رنگ میں رنگنا اور اسلام کے لبادے میں پیش کرنا ان لوگوں کا صبح وشام کا وطیرہ ہے، چنانچہ داڑھی، پردہ، جہاد اور تحفظ ناموس رسالت وغیرہ جیسے عنوانات ان لوگوں کا پسندیدہ موضوع ہوتے ہیں، جس میں مغرب کی ترجمانی اور ان کے اہداف ومقاصد کو پروان چڑھانا مقصود ہوتا ہے، اِسلام کے مسلمہ عقائد ونظریات میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور اسلامی معاشرے میں فکری انتشار پھیلا کر عوام الناس کو دین اِسلام سے بدظن کرنا ان کے اہداف ومقاصد میں شامل ہے۔ اِس طرح کی کوششیں اِس سے پہلے بھی ہوتی رہی ہیں اور طاقت وغلبے سے مرعوب لوگ ان

کی آبیاری کرتے رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور علماء کی محنتوں سے ہمیشہ یہ کوششیں اپنے مقاصد میں ناکام ہوئی ہیں اور سابقہ کوششوں کی طرح یہ کوشش بھی اِن شاءاللہ تعالیٰ ناکام ونامراد ہوگی۔

مجلّہ صفدر کے ''فتنہ غامدی نمبر'' کی جلد اول ظاہری ومعنوی دونوں اعتبار سے معیاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جلد اول کی طرح جلد ثانی بھی ظاہری ومعنوی حسن سے آراستہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اِس کاوش کو دنیا اور آخرت میں حسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین

عبید اللہ خالد......رئیس: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ ۲۱؍مئی ۲۰۱۵ء

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ **البلاغ** کراچی کا تبصرہ

معروف تجدد پسند اسکالر جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے منفرد خیالات ایک عرصے سے اہل علم میں موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں، دورِ حاضر کے تقریباً تمام مستند ومحقق علماء کرام اِس پر متفق ہیں کہ موصوف بہت سے مسائل میں اُمت مسلمہ سے ہٹ کر بالکل جداگانہ رَاستہ اِختیار کیے ہوئے ہیں، شاید وہ اِس معاملہ میں اپنے آپ کو اِجتہاد کے مرتبے پر فائز سمجھتے ہیں، اِسی لیے وہ سلف کے دلائل سے بے نیاز ہوکر محض قلم کے زور پر من مانے دلائل پیش کر کے جمہور اُمت کے متفقہ موقف سے بے زاری کا اِظہار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے متبعین، حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ وتبع تابعینؒ سے بدگمان ہو رہے ہیں۔

محترم غامدی صاحب کے نظریات کی تردید میں اِتنا زیادہ علمی مواد منظر عام پر آچکا ہے جس سے ایک منصف مزاج شخص کے لیے راہِ حق پوری طرح واضح ہوجاتی ہے، زیرِنظر نمبر بھی اِسی موضوع پر ترتیب دیا گیا ہے جس میں عصر حاضر کے اکابر علماء کرام کے گراں قدر مقالات عمدہ ترتیب کے ساتھ جمع کردیئے گئے ہیں، جن میں بہت ہی سنجیدگی، متانت اور عمدگی کے ساتھ غامدی صاحب کے اَفکار کا علمی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اِس نمبر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اِس میں اہل علم کی آرا کا خلاصہ بھی ایسے آسان اور مختصر انداز میں پیش کردیا گیا ہے جس کو دیکھتے ہی غامدی صاحب کے بارے میں علماء کرام کا واضح موقف قاری کے سامنے آجاتا ہے۔

یہ نمبر اِس موضوع پر بہت مفید کاوش ہے جس میں نسل نو کے لیے بھی ہدایت کا خاصا سامان موجود ہے، اُمید ہے کہ یہ نمبر تمام لائبریریوں میں محفوظ کرلیا جائے گا اور اِس سے کما حقہ استفادے کا

اہتمام کیا جائے گا۔ (البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ)

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ **الفاروق** کراچی کا تبصرہ

مجلّہ ''صفدر'' کے مدیر اعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی، مدیر مسئول مولانا احسن خدامی اور مدیر جناب حمزہ احسانی صاحب ہیں، آخر الذکر دونوں حضرات' حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے پوتے اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے نواسے ہیں۔مجلّہ ''صفدر'' کے اغراض ومقاصد میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کی اشاعت وحفاظت اور فرق باطلہ ضالہ کا تعاقب شامل ہے۔

مغرب اور یہود ونصاریٰ کی اِسلام دشمن پالیسیوں اور اغراض واہداف کو مسلم معاشرے میں پذیرائی دِلانے کے لیے طاقت و غلبے سے مرعوب ایک طبقہ حقائق کو مسخ کرتے ہوئے ہر اس قول وفعل کو اسلامیانے کے چکر میں پریشان وسرگردان رہتا ہے جو مغرب کی طرف سے اِسلامی شعائر اور احکامات کے خلاف آیا ہو، یہ طبقہ اِسلام کی حقیقی روح اور احکام ومسائل کو مسخ کر کے یہود ونصاریٰ اور مغرب کے ہاں مقبول وپسندیدہ اسلام کی جدید شکل وصورت اور نئی تعبیر کا خواہاں ہے۔ دورِ حاضر میں اِس سلسلے کا نمایاں نام جاوید احمد غامدی، ان کے پیروکاروں اور ہمنواؤں کا ہے۔مجلّہ ''صفدر'' نے اپنے اغراض ومقاصد کے پیش نظر باطل عقائد ونظریات کے حامل اِس فتنے کے تعاقب اور رد کے لیے جون ۲۰۱۵ء کے شمارے کو بطورِ خاص نمبر کے شائع کیا ہے جس میں اکابر، بزرگوں اور ممتاز مقام ومرتبہ رکھنے والے اہل علم وقلم کے مضامین شامل ہیں۔ یہ خاص نمبر دراصل دو جلدوں میں شائع ہوگا۔اور اِس وقت جلد اول منظر عام پر آئی ہے۔رسالے کے مدیر نے دونوں جلدوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اِس پہلی جلد میں حیاتِ عیسیٰ، جہاد، گستاخ رسول کی شرعی سزا، قادیانیت وغامدیت، اُصول تفسیر وتصورِ سنت، قراآت قرآن، تصوف وسلوک، حجیت اجماع، سزائے رجم، غامدی وعمار، نظریہ سیاست، جدت پسندی اور دینی مدارس وغیرہ عنوانات پر مضامین شامل ہیں۔......جبکہ تصورِ سنت، حجیت حدیث، تصویر، موسیقی، مرتد اور شراب نوشی کی سزا، وارثت، بیمہ، اُصول فطرت، ڈاڑھی، اتمام حجت، مسئلہ تکفیر، اجتہاد، تقلید، زکوٰۃ، مسجد اقصیٰ کی تولیت اور ظہورِ امام مہدی وغیرہ موضوعات سے متعلق مضامین اِن شاء اللہ دوسری جلد میں شائع کیے جائیں گے۔ اِسی طرح اَکابر اہل علم کے مسلکی تصلب اور دینی غیرت وحمیت کے مزید منتخب نمونے، ''جدید مفکرین کے طریقے'' نامی مضمون کا دوسرا حصہ، غامدی دستور پر مفصل بحث، عمار خان کے نام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا جوابی ''ناصحانہ مکتوب''، غامدی سے متعلق استفتاء کے تفصیلی حوالہ جات اور دیگر مضامین دوسری جلد میں شائع کیے جائیں گے۔

حدیث سبعۃ احرف پر مفصل بحث، بعض مفتیان کے مفصل فتاویٰ جات، غامدی صاحب کے تضادات، غامدی صاحب اپنے تلامذہ کی نظر میں، غامدی صاحب کے رد میں لکھے گئے معتمد اہل علم کے مضامین وکتب کی فہرست وغیرہ بھی قارئین دوسری جلد میں ملاحظہ فرماسکیں گے۔ اِن شاءاللہ۔

ہم نے متعدد اہل علم وقلم سے غامدی مذہب پر ''مختصر تبصرہ'' کی گذارش کی تھی، جس کے جواب میں موصول ہونے والے تاثرات ''غامدی فتنہ میری نظر میں!'' نامی مضمون میں شامل ہیں۔ جو حضرات تاحال اپنے تاثرات اِرسال نہیں فرماسکے، اُن کے تاثرات یا مضامین ومقالات بھی یکم اگست ۲۰۱۵ء تک موصول ہونے کی صورت میں دوسری جلد میں شامل ہوسکیں گے۔''

''فتنہ غامدی نمبر'' کی اِس پہلی جلد کے مضامین کوسات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، باب اول آغازِ سخن کے عنوان سے ہے، باب دوم: تحریرات اکابر، باب سوم: تجدد پسندوں کے قلمی وعلمی فتنے، باب چہارم: جاوید احمد غامدی کا تعارف وپس منظر، باب پنجم: غامدی افکار کا تحقیقی محاسبہ، باب ششم: غامدی مذہب کا عمومی جائزہ اور باب ہفتم: فتاویٰ جات کے عنوان سے ہے۔ فتنہ غامدی نمبر کی اِس پہلی جلد کے صفحات چھ سو (۶۰۰) ہیں جبکہ عام قاری کے لیے اِس کی قیمت دوسو (۲۰۰) مقرر کی گئی ہے اور رسالے کے معیار وحجم کے پیش نظر یہ نہایت کم قیمت ہے۔

مجلّہ صفدر کی اِس خصوصی اشاعت کے ذریعے فتنہ غامدی پر اکابر اور ممتاز اصحاب علم وفضل کی طرف سے لکھا جانے والا قدیم وجدید مواد یکجا ہوجائے گا اور اِس طرح عوام وخواص کو اِس فتنے کی حقیقت، شرانگیزی اور مضر اثرات سے آگاہی حاصل کرنا آسان ہوگا۔ اُمید ہے کہ یہ خصوصی اشاعت اِس فتنے کے سدباب کے لیے ایک نمایاں کاوش کا کام دے گی اور اِس کے شر سے پریشان حال اہل علم اور عوام کی تسکین کا باعث ہوگی جب کہ ان لوگوں کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا جو پردوں میں رہتے ہوئے اِس فتنے کی آبیاری کے لیے صبح وشام اور دِن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔

مجلّہ ''صفدر'' کی اِس خصوصی اِشاعت کی طباعت واشاعت میں معیار وسلیقے کا خیال رکھا گیا ہے جس کی جھلک کمپوزنگ، کاغذ، جلد بندی اور ٹائٹل میں نمایاں نظر آتی ہے۔

[الفاروق، رمضان المبارک ۳۷ھ]

تصحیح

مجلّہ ''صفدر'' کے سابقہ شمارے [فروری ۲۰۱۶ء ص:۱۴] میں ''مینارہ علم ونور، علامہ تونسوی'' نامی مضمون میں حضرت تونسوی رحمہ اللہ کی تاریخ ولادت غلطی سے ۱۴۲۶ لکھی گئی ہے، درست ۱۹۲۶ء ہے۔

القاسم اکیڈمی کی علمی، ادبی اور روحانی پیش کش

ساعتے با اہلِ حق

افادات: شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہٗ

پیش لفظ: شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ

مرتب: مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

ایک وفا شعار شاگرد کے اِستفسارات اور وفا شناس استاد کے جوابات، ایک طالبِ صادق کی علمی تشنگی اور استادِ کامل کی آبیاری، ایک مسترشد کی کیفیات اور مرشد کی ہدایات، ایک عاشقِ زار خادم کی نیازمندیاں اور فرد شناس مخدوم کی کرم نوازیاں، ایک تاریخ خوان کی اُلجھنیں اور تاریخ ساز کی سلجھنیں، محدثِ جلیل حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ اور ان کے مایہ ناز اور قابل فخر شاگرد شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ کے علمی، روحانی، فکری، ادبی مجالس، علماء، صلحاء اور اولیاء کے تذکرے، جدید و قدیم کتابوں پر تبصرے، جہاد و قتال، دعوت وتبلیغ، تصنیف و تالیف، سیاست و قیادت، مطالعہ و کتاب اور قلم و قرطاس کے موضوعات پر دلچسپ مذاکرے، عالمی انقلاب، تاریخی واقعات اور اصلاحِ انقلابِ اُمت کے حوالے سے بصیرت افروز تجزیے، ایک علمی، روحانی اور ادبی تحفہ ....

صفحات : ۵۷۲ ...... ہدیہ : ۵۰۰ روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرۃ، خالق آباد نوشہرہ کے پی کے
0301-3019928
0346-4010613